خالی کرسیاں

شہرۂ آفاق ڈرامے The Chairs کا ترجمہ

یوجین آئنسکو

مترجم

صفدر رشید

اکادمی ادبیاتِ پاکستان

خالی کرسیاں

شہرۂ آفاق ڈرامے The Chairs کا ترجمہ

یوجین آئنسکو

مترجم

صفدر رشید

اکادمی ادبیاتِ پاکستان

جملہ حقوق محفوظ

فہرست

پیش نامہ	ڈاکٹر یوسف خشک	۷
پیش لفظ	ڈاکٹر شاہد صدیقی	۹
مقدمہ	صفدر رشید	۱۱
متن (خالی کرسیاں)		۲۳
لایعنی تھیٹر............خالی کرسی	جمال پانی پتی	۹۱

پیش نامہ

ڈاکٹر یوسف خشک

پیش لفظ

مقدمہ

ہمارے ہاں ادبی و علمی حلقوں میں The Theatre of the Absurd کا معقول تعارف موجود ہے، خاص طور پر Waiting for Godot کا، جس کے کم از کم دو تراجم اردو میں اور ایک پنجابی میں ہو چکے ہیں۔ اولین اردو ترجمہ کرشن چندر کا ہے جو شب خون میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا ترجمہ شفیق ناز کا ہے جو الحمرا پبلشرز، اسلام آباد، نے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا۔ ہمارے ہاں ایم اے انگریزی کے زیادہ تر نصابات میں سیموئیل بیکٹ کا 'Waiting...' شامل رہا ہے۔ یہ بات بھی اس ڈرامے کے تعارف کا ایک ذریعہ بنی اور اس ڈرامے کا ابسرڈ تھیٹر کا نمائندہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ 'خالی کرسیاں' کی اہمیت بھی کسی طور کم نہیں بلکہ آج اس کی اہمیت زیادہ کھل کر سامنے آئی ہے کیوں کہ ابلاغ اور زبان کے مسئلے پر اس میں زیادہ واضح اور براہ راست باتیں ہیں۔

نصاب میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کی کم ہی چیزیں ہمارے شعور اور وجود کا حصہ بن پاتی ہیں۔ 'Waiting...' بھی میرا اسی قسم کا تجربہ ہے۔ بہت بعد میں The Chairs پڑھا اور اس کی تحریک جناب احمد جاوید صاحب کی ایک گفتگو سے ملی، جس میں انھوں نے مغربی تہذیب کو سمجھنے کے لیے اس ڈرامے کو پڑھنا ناگزیر قرار دیا۔ یہ گفتگو رسالہ 'جی' میں چھپی جہاں وہ اس سکول کی اہمیت کے بارے میں کہتے ہیں:

''۔۔۔کہتے ہیں کہ انسان لامحدود امکانات کی صورت حال میں کسی choice کی قوت رکھے بغیر پھینک دیا گیا۔ اب آپ اسی سے اندازہ لگا لیں کہ وہ کیا کیا کرتے ہوں گے؟ لیکن کیونکہ یہ فلسفہ ہے اور اس میں بڑے بڑے لوگ ہیں۔۔۔ یہ ایک فلسفیانہ movement ہے۔ تو theatre of the absurd کا آخری درجہ ہے جو

produce ہوا۔ اس کے آگے یونانی tragedy بچوں کا کھیل ہے۔۔۔ آپ کو یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جائے گا کہ شیکسپیئر بڑا ہے یا سیموئیل بیکٹ بڑا ہے؟ absurd جو ہیں وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حقیقت اور شعور کا تعلق ہی مصنوعی اور جبری ہے۔ اب آپ سوچیے کتنی بڑی بات ہے؟ ہے کہ نہیں؟''

(احمد جاوید، سہ ماہی جی، مدیر محمد دین جوہر، جولائی تا اکتوبر ۲۰۱۲ء)

ڈراما پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس نوع کے ڈراموں کی قرأت کا طریقہ بھی مختلف ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ سٹیج کے لیے دی گئی ہدایات پر توجہ دی جائے۔ ان کا مقصد ڈراما پڑھنے اور دیکھنے والوں کے لیے ایک مخصوص کیفیت پیدا کرنا ہے۔ یہ ہدایات جہاں تفہیم کے لیے آسانی پیدا کرتی ہیں وہیں مشکلات بھی لاتی ہیں۔ یہاں ان ہدایات کو اٹالک میں کر دیا گیا ہے۔

سٹیج کی ہدایات جس قدر زیادہ ہوں گی، ان پر کامیابی سے عمل پیرا ہونا اسی قدر مشکل ہوگا۔ خاص طور پر بیکٹ اور آئنسکو کی سٹیج ہدایات بعض اوقات عجیب وغریب، غیر ضروری اور مہمل معلوم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر آئنسکو کے ایک ڈرامے کی ہدایات ملاحظہ کیجیے:

''ایک متوسط انگریز گھرانے کے گھر کا منظر، انگریزی آرام کرسی، انگریزی شام، ایک انگریز انگریزی طرز کی آرام کرسی پر بیٹھا ہے اور انگریزی چپل پہنے ہوئے ہے۔ انگریزی پائپ پی رہا ہے اور انگریزی اخبار پڑھ رہا ہے۔ انگریزی آگ جل رہی ہے۔ انگریزی طرز کا کلاک سترہ مرتبہ بجتا ہے۔''

ان میں سے کچھ چیزیں تو تکمیلیت کے رویے کی مثال ہیں مگر کچھ نہیں، مثلاً کوئی کلاک زیادہ سے زیادہ بارہ مرتبہ بج سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ سترہ مرتبہ بجنے کی افادیت کیا ہے؟ چودہ یا پندرہ مرتبہ کیوں نہیں؟ ان غیر ضروری تفصیلات کا ایک ہی مطلب ہے کہ یہ اداکاروں یا ناظرین کے لیے نہیں بلکہ قاری کے لیے لکھی گئی ہیں، حالاں کہ ڈراما بنیادی طور پر پیشکش کے لیے تحریر ہوتا ہے، پڑھنے کے لیے نہیں۔ ان لوگوں کو اندازہ تھا کہ یہ ڈرامے پڑھے بھی جائیں گے۔ ان ہدایات کا قاری پر نفسیاتی اثر پڑتا ہے اور وہ اس فضا میں آ جاتا ہے جس میں ڈراما نگار اسے لانا چاہتا ہے۔ ہدایات کو ذہن میں رکھے بغیر 'خالی کرسیاں' کی تفہیم خاصی مشکل ہو

جائے گی۔

اس ڈرامے کے ناظرین کو سب سے پہلی حیرانی اسٹیج کی سیٹنگ پر ہوتی ہے۔ ایک نیم دائروی کمرہ ہے جس کے اطراف میں کھڑکیاں اور دروازے ہیں۔ دو سٹول ہیں جو مخالف سمت کی کھڑکیوں کے ساتھ رکھے ہیں۔ دو کرسیاں سٹیج کے درمیان ہیں، ایک ڈائس اور تختۂ سیاہ سٹیج کے اگلی طرف (down stage) کے وسط میں ہیں۔ کھیل کا آغاز بڑھیا کا بوڑھے کو سٹول سے نیچے کھینچنے سے ہوتا ہے۔

Theatre of Absurd کی اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے ایک نقاد Martin Esslin نے اسی نام کی اپنی کتاب میں ایک مخصوص مزاج اور فضا کے حامل ڈراموں پر کیا۔ اس نے Absurd کا لفظ کامیو سے لیا، جس کے مطابق زندگی بے معنی اور مہمل ہے اور اس وسیع کائنات میں انسان لاچار اور مجبورِ محض ہے۔

Absurd ایک عمومی لیبل ہے، جس کا اطلاق مختلف مزاج اور اسلوب کے ڈرامہ نگاروں پر کیا گیا، تاہم اپنے حاصل میں یہ سب ڈرامہ نگار اصل میں ایک ہیں۔ ان ڈراموں کو المیاتی طربیہ (Tragicodemy) کہا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر ڈرامہ نگار سارتر کے ہم عصر تھے۔ وجودیت کے فلسفیانہ رخ کا علمبردار سارتر تھا اور وہ تھا بھی پیرس میں۔ وجودیت سے اس تھیٹر کا رشتہ کوئی سیدھا سادا نہیں، مثلاً آئنسکو کو سارتر کے کمیونزم سے غیر مشروط جڑت پر اعتراض تھا۔ اپنی اصل میں وجودیت مایوسی کا فلسفہ نہیں، وہ فرد کو ذمہ داری قبول کرنے کا کہتا ہے، مگر یہ تھیٹر انسان کی ازلی وابدی ناکامی کا نوحہ ہے اور اس سے نکلنے کا کوئی نسخہ بھی تجویز نہیں کرتا۔ وجودیت اور اس تھیٹر میں یہ بنیادی فرق ہے۔

اس تھیٹر سے قبل دوستوئیفسکی، کامیو، کافکا کے ناولوں میں لایعنیت اور وجودی کرب پوری طرح جلوہ گر ہے۔ یورپ میں بیسویں صدی کے آغاز میں جنم لینے والی ادبی جدیدیت ایک بڑے دائرے میں تو ماڈرنیٹی، عقلیت پسندی اور ہیومن ازم کا ہی حصہ ہے، مگر ایک سطح پر یہ ان سب کے خلاف علمِ بغاوت بھی ہے۔ جدیدیت کے بنائے گئے قضیوں اور ادعائیت کے رویے کے خلاف فلسفے، آرٹ اور ادب کی سطح پر بغاوت کا نقطۂ عروج لایعنیت کا تھیٹر ہے،

جس نے سرریئلزم، داداازم سے لے کر وجودیت تک کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

اس نوع کے ڈرامہ نگار کچھ فرانسیسی تھے، جیسے Jean Genet, Jean Tardieu, Boris Vian۔ کچھ ایسے بھی تھے جن کی پیدائش تو کہیں اور کی تھی مگر وہ رہے پیرس میں، جیسے آئنسکو، بیکٹ اور آرتھر ایڈموو۔ آہستہ آہستہ اس نوع کے ڈرامہ نگاروں کا اثر پیرس سے باہر دیگر ممالک میں جانے لگا، مثلاً برطانیہ میں Harold Pinter, Tom Stopp, N.F. Simpson نے خاص طور پر اپنی شناخت قائم کی۔ امریکہ اور یورپ کے علاوہ اس تھیٹر سے متاثرہ ڈرامہ نگاروں میں بھارت کے Mohit Chattopadhay (1934-2012) اور مصر کے توفیق الحاکم بھی شامل ہیں۔

آئنسکو کے خیالات ان معنوں میں original نہیں کہ اس وقت یہ تصورات فضا میں تھے اور بہت سے لکھاری مختلف سطحوں پر ان خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ جدیدیت کے بلند بانگ دعووں پر لوگوں کا ایقان متزلزل ہو رہا تھا۔ جنگوں کے بعد زندگی کی اقدار سے ایمان اٹھ گیا۔ نیٹشے کی آواز کانوں میں پڑ رہی تھی کہ ''خدا مر گیا۔'' نشاۃ الثانیہ کے بعد جو خدا irrelevent ہونا شروع ہوا تھا اب آخری سانسیں لے رہا تھا۔ لایعنیت کا تھیٹر اس وقت کے انسان کے مذہبی خلا کے رخ کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔

یہ تھیٹر اس بے چینی، کرب اور روحانی ضرورت کی ایک بلند چیخ کی مانند ہے۔ اس روحانی خلا کی نشان دہی فلسفے، آرٹ اور ادب میں کئی صورتوں میں ہوئی، مگر اس تھیٹر سے بہتر یہ کہیں اور اظہار نہیں پایا۔ کیر کے گارڈ نے Waiting for Godot دیکھ کر کہا کہ وہ یہی کہنا چاہ رہا تھا۔ یہ کرب ایک اجتمائی روحانی تجربے سے کم نہیں تھا، جسے اس تھیٹر نے محفوظ کر لیا۔ عقیدے اور اقدار پر سوالیہ نشان لگ جانے کے بعد فکر اور فن کے روایتی معیار ناکافی محسوس ہوئے۔ اس تھیٹر نے روایتی تھیٹر کے خلاف بغاوت کی۔ سٹیج سیٹنگ سے لے کر کردار، مکالموں اور پلاٹ تک ہر ہر چیز اینٹی تھیٹر کے ذمرے میں آتی ہے۔ ان لوگوں کا زبان بطور ذریعۂ ابلاغ پر اعتبار نہیں کہ الفاظ اصل بات کو چھپانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اس

کے اظہار کے لیے نہیں۔ الفاظ کسی صورتِ حال یا معاملے کے محض ظاہری پہلو کو پیش کرتی ہے۔ اس سے زیادہ کی اس میں سکت نہیں۔ یوں یہ اصل بات کو چھپانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ ان لوگوں نے زبان کے بنے بنائے ڈھانچے کو توڑا اور الفاظ کی جگہ خاموشی، نامکمل جملے اور بے ربط جملے زیادہ اہم ہو گئے، کہ یہ انسانی شخصیت کے بانجھ پن اور کھوکھلے پن کو بہتر انداز سے ظاہر کرتے ہیں۔ ایک لحاظ سے ان لوگوں نے زبان کے امکانات کو وسیع کیا کہ جو نہیں کہا گیا، جو نہیں لکھا گیا وہ زیادہ معنی خیز ہے، یوں لغوی معنی اور رائج معنی سے بلند ہونے کا موقع ملا۔ وہ بات جس کا سارے فسانے میں ذکر نہ تھا / وہی ان کو ناگوار گزری ہے: اس تھیٹر میں یہ معنی سامنے آتے ہیں۔

ڈرامائی کشمکش، کرداروں کے مابین چپقلش، پلاٹ اور کرداروں کے ارتقا جیسی روایتی اور کلاسیکی ڈرامے کے اجزا ان ڈراموں میں ناپید ہیں۔ یہاں تک کہ ان ڈراموں کا موضوع تک نہیں۔ واضح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ Waiting for Godot, The Chairs, End games, Happy Days, Rhinoceros, The Balcony وغیرہ کا کیا موضوع ہے۔ جب 'کہانی' میں کوئی آغاز، وسط اور انجام نہیں تو کچھ وقوع پزیر کیا ہوگا؟ ماضی اور مستقبل کے بغیر محض حال کے سہارے کوئی بات، کوئی واقعہ کیسے رونما ہو سکتا ہے؟ یوں ان ڈراموں کا کوئی موضوع اور مرکزی خیال تلاش کرنا عبث ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً لایعنیت اور زبان پر عدمِ اعتماد اس سکول کے بڑے موضوعات ہیں۔ اس سکول کا کمال یہ ہے کہ پہلی مرتبہ موضوعات کی تجسیم (personification) ہوئی۔ کسی چیز کے بارے میں اظہارِ خیال نہیں کیا گیا یا کوئی رائے نہیں دی گئی، بلکہ ناظرین بوریت، لایعنیت اور بے زاری کے تجربے سے گزرتے ہیں۔ انھیں موضوع کے بارے میں معلومات فراہم نہیں ہوتی بلکہ موضوع ان کے وجود کا حصہ بنتا ہے۔ موضوع شعور کو متاثر کر سکتا ہے، مگر یہ تجربہ شعور، لاشعور اور پورے وجود کو۔

Happy Days بنیادی طور پر ایک خاتون کی طویل خود کلامی ہے، جس کا جسم آہستہ آہستہ زمین میں دھنس رہا ہے۔ وہ بار بار کہتی ہے: ''یہ خوش گوار دن ہے۔'' Rhinoceroses میں لوگ گینڈوں میں تبدیل ہو رہے ہیں، مگر وہ اس صورتِ

حال پر مطمئن ہیں۔ وہ کوئی سوال نہیں اٹھا رہے۔ ان دونوں ڈراموں کے کردار مطمئن بلکہ زندگی میں مست ہیں۔ وہ حیران نہیں ہوتے کہ لوگ زمین میں دھنس کیوں رہے ہیں اور ان کا قالب گینڈوں میں کیوں بدل رہا ہے۔ ان کی شناخت ختم ہو رہی ہے۔ وہ موت کے منہ میں ہیں اور کوئی ردِعمل نہیں دیتے۔۔۔۔ اگر یہ سوالات ان ڈراموں کے ناظرین اور قارئین شدت سے محسوس کر لیتے ہیں اور خود کو ڈرامے کے کردار محسوس کرتے ہیں تو ان ڈراموں کا شمار دنیا کے کامیاب اور عظیم ڈراموں میں ہوگا۔ اس قدر شدت سے انسان کی مابعدالطبعیاتی بے گھری، بے چینی اور اس دنیا میں انسان کی ازلی اجنبیت کو پہلے کبھی اظہار نہیں ملا۔

انسانی حافظے اور زبان کی بدولت علم نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا ہے۔ آئنسکو نے ان دونوں پر بہت زیادہ بھروسہ کرنے کا مذاق اڑایا ہے۔ بڑھیا کے حافظے اور بوڑھے کے علم کا پول کھولا ہے۔ دونوں کے پاس اگلی نسل کو منتقل کرنے کو کچھ نہیں۔ برسوں کی ریاضت کا حاصل وہ آفاقی پیغام ہے جو مقرر نے پہنچانا تھا۔ ترقی اور تہذیبی برتری کے دعوے ملیا میٹ ہو گئے۔ بیکٹ اور آئنسکو کے کردار یاجوج ماجوج کی مانند لاحاصل محنت اور صلے کی امید میں جیے چلے جاتے ہیں۔ تکرار سے بھری زندگی ایک دائرے میں گھومتی ہے۔۔۔۔ زندگی نہیں بلکہ پہیا گھومتا ہے۔۔۔ آفاقی پہیے سے جڑی بے حرکت زندگی۔ گودو کے انتظار میں ایک کردار کہتا ہے:

We alway find something, eh Didi, to give us the impression we exist?

اکیسویں صدی کی تیسری دہائی آتے آتے ایسی بہت سی سرگرمیاں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جن کی بدولت ہم وقتی پر اپنے آپ کو اہم تصور کرنے کے سراب میں آ جاتے ہیں۔ وجود اور عدم وجود کا یہ احساس لمحاتی ثابت ہوتا ہے۔ کبھی حافظہ، کبھی خوف، کبھی زبان، کبھی یادِ ماضی، کبھی ارادے کی کمی اور کبھی بے عملی ان کے آڑے جاتے ہیں۔

سٹیج کی نیم دائروی بناوٹ سے ہی اس ڈرامے کا مرکزی موضوع واضح ہو جاتا ہے، یعنی حال دائروی ہے، لہذا تکرار ناگزیر۔ بوڑھا اور بوڑھیا کی زندگی میں ٹھہراؤ ہے، کوئی حرکت

نہیں، حتیٰ کہ باہر اردگرد پانی بھی جامد ہے۔ ایک ہی کہانی ہر رات سنائی جاتی ہے۔ کہانی کا پہلا جملہ بھی معنی خیز ہے: ''پھر آخرِ کار ہم پہنچ گئے۔'' جونہی کہانی ذرا آگے بڑھتی ہے وہ پھر یہی جملہ دہراتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کہیں نہیں پہنچے بلکہ دائرے میں گھوم رہے ہیں۔ دونوں کا ماضی سے تعلق بھی عجیب و غریب ہے۔ عورت ہر رات اپنی یادداشت کھو بیٹھتی ہے، جس طرح Waiting for Godot میں کردار گذشتہ دن کی باتیں بھول جاتے تھے۔ ماضی کے بغیر، حافظے کے بغیر زندگی دائروی ہو جاتی ہے۔ جب ماضی ہی نہیں تو مستقبل کیونکر ہوگا؟ اگرچہ بوڑھا اس طرح اپنی یادداشت تو نہیں کھوتا، مگر وہ تاریخ کو اہمیت نہیں دیتا جس طرح دونوں کا کہانی سنانا ایک خود فریبی ہے تاکہ زندگی کو قابلِ برداشت بنایا جائے، اسی طرح 'مہمانوں کی آمد' کا سراب ان کی بے روح زندگی کو، وقتی طور پر سہی، بامعنی بنا دیتا ہے۔ Waiting for Godot میں بھی کردار صرف وقت کا پیٹ بھرنے کے لیے بات کرتے ہیں اور بظاہر بات اور واقعات آگے بڑھتی محسوس ہوتی ہے، مگر عملاً نہ کوئی ماضی ہے نہ مستقبل اور محض حال کی بوریت ختم کرنے کے لیے 'گفتگو' ہوتی ہے۔ سب کے لیے ماضی ناقابلِ رسائی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایک بے ربط لمحے اور حال کی تکرار میں جی رہے ہیں۔

یہ تھیٹر فلسفۂ وجودیت کے خاصا قریب ہے۔ وجودیت کے بنیادی مقدمات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کائنات میں انسانی زندگی کی صورتِ حال لایعنی اور ناقابلِ ادراک ہے اور اس تھیٹر میں یہ پیغام بہت واضح صورت میں سامنے آتا ہے۔ Waiting for Godot میں انتظار کرنے سمیت تمام سرگرمیاں لاحاصل اور بے معنی تھیں تو 'خالی کرسیاں' میں وجودیت کا پیغام زیادہ واضح صورت میں ہے کہ مقرر کا پیغام غیر واضح، مبہم، اور لایعنی ہے۔ جس پیغام سے بہت امیدیں وابستہ کر لیں گئیں تھیں وہ بے معنی الفاظ، بلکہ الفاظ بھی نہیں، بے معنی اصوات کی صورت میں نکلا۔ وجودیت کا یہ قضیہ سب سے بہتر طور پر 'خالی کرسیاں' میں پیش ہوتا ہے۔ بوڑھا جس پیغام کو انسانیت کو پہنچانے کے لیے۔۔۔ اپنی عمر بھر کا حاصل۔۔۔ جدوجہد کرتا ہے، وہ ناقابلِ ترسیل اور ناقابلِ فہم ہے۔ تاہم ایک فرق کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ وجودیت اپنی اصل میں مایوسی کا فلسفہ نہیں۔ یہ موت کو اٹل

حقیقت مانتا ہے، اسے مسائل کا حل نہیں۔ یہ زندگی کی بے معنویت کا مقابلہ ایک ذمہ دار زندگی بسر کرنے سے کرتا ہے۔ لیکن 'گودو کے انتظار میں' اور 'خالی کرسیاں' کے تمام کردار غیر ذمہ دار ہیں اور 'خالی کرسیاں' کے کردار تو اس حد تک غیر ذمہ دار ہیں کہ انھوں نے زندگی بھر کوئی ذمہ داری نہ نبھائی اور آخر میں خودکشی کر لیتے ہیں۔ عمل سے عاری ان لوگوں کے خواب تک جھوٹے ہیں۔ زندگی بھر جو پیغام پہنچانے کی آرزو کی، اس کی 'عملی صورت' بھی ان کے ذہن میں واقع ہوتی ہے، گویا سراب اندر سراب ہے۔ 'گودو کے انتظار میں' گودو کا انتظار رہتا ہے اور 'خالی کرسیاں' میں مقرر کا۔ گودو کبھی نہیں آتا، معلوم نہیں اس کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں، مگر یہاں مقرر ایک حقیقی کردار ہے اور المیہ یہ ہے کہ وہ حقیقی ہو کر بھی غیر حقیقی وجود ہے۔ وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ بول سکتا۔ جو پیغام وہ دینے آیا ہے اسے سمجھنے سے خود بھی قاصر ہے۔ ممکن ہے کہ اپنے 'الفاظ' میں وہ یہی کہنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اسے کسی بات کی خبر نہیں، اس پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ بظاہر بوڑھے نے اگلی نسل سے بہترین فرد کا انتخاب کیا، اسے پیغام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی اور اطمینان سے خودکشی کر لی۔ دونوں کرداروں نے ساری زندگی دھوکے میں گزاری اور آخر میں ضمیر کی خلش سے بچنے کے لیے ایک غلط فرد کا انتخاب کر کے فرار کا راستہ اختیار کیا، کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ ان کے پاس کوئی پیغام نہیں۔ کیا اس پوری نسل کے پاس دینے کو کوئی پیغام نہیں؟ کیا یہ بانجھ نسل تھی؟ کیا اس نسل نے جھوٹے سہاروں پر زندگی بسر کی؟ مغرب کی بیسویں صدی کی نصف اول کی نسل سے یہ سوالات کیے جائیں گے کہ انھوں نے کن کن سرابوں میں زندگی بسر کی۔ دراصل یہ سوالات مقرر کی نسل کے بوڑھے کی نسل سے ہیں۔

حقیقت کے مضبوط قلعے میں سراب / دھوکا / رومانس بادِ بہاری کا کام دیتا ہے، مگر جب چاروں اَور دھوکے کا سامان ہو، وہاں حقیقت کا شائبہ بھی دھوکے کے غبارے میں سوراخ ثابت ہوتا ہے۔ نامکمل سہی مگر حقیقی انسان ۔۔۔ مقرر ۔۔۔ کی آمد کے بعد سارے سراب کو بچانے کے لیے بوڑھے اور بڑھیا کے پاس سوائے خودکشی کے کوئی اور راستہ نہ بچا۔ ایک ایسی دنیا جس میں تمام امیدیں ٹوٹ چکیں اور جہاں لایعنیت کا دور دورہ ہے، وہاں ابلاغ کی کیا صورتیں ممکن ہیں؟

مقرر بولنے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس کی بات ناقابلِ فہم۔ پھر وہ بورڈ پر کچھ لکھتا ہے، وہ بھی سمجھ سے بالاتر۔ الفاظ پر زور دینے کے لیے وہ حروف کو capital letters میں لکھتا ہے: ANGLEFOOD ADIEU۔ لفظوں کے معنی ہونے کے باوجود یہ بے معنی ہیں۔ تاہم مقرر مطمئن ہے کہ اس نے پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ادا کر دی۔ وہ اس پر جھنجھلاتا ہے کہ لوگ اس کی بات سن یا سمجھ کیوں نہیں پا رہے۔ یہ صورتِ حال کم و بیش 'گودو کے انتظار میں' والی ہے، جب طویل انتظار کے بعد کچھ برآمد نہیں ہوتا۔

بغیر ماضی اور مستقبل کوئی واقعہ رونما نہیں ہو سکتا۔ ایک مدت سے دونوں کردار ایک جزیرے میں ہیں، جہاں کوئی زندگی نہیں، جہاں کچھ ہونے کا امکان بھی نہیں، کرنے کو کچھ نہیں، کہنے کو کچھ نہیں، لہٰذا بات کیا ہو، کیونکر ہو اور کس سے ہو؟ یوں تو ہم کا کارخانہ وجود میں آتا ہے، جس پر دونوں مکمل اعتبار کیے بیٹھے ہیں۔ بے معنویت سے بھرپور چیزوں کی تکرار کے باعث ان کے جملے نامکمل، بے معنی اور کھوکھلے ہیں۔

تاہم اکیسویں صدی میں انسان کی اس تنہائی کو پاٹنے کے لیے کچھ ذرائع ضرور پیدا ہو گئے ہیں ۔۔۔ فیس بک، رئیلٹی شوز، گوگل، وٹس ایپ وغیرہ۔ اگر بیسویں صدی میں ہم حقیقت کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے تو کسی سراب اور کسی نہ کسی جھوٹے سچے رومانس کو گلے لگاتے تھے۔ بوڑھا اور بڑھیا ساری زندگی ایک پیغام پہچانے کے دھوکے میں رہے۔ اکیسویں صدی کا آدمی حقیقی نہیں بلکہ تشکیلی حقیقت (Hyper Reality) میں زندہ ہے۔ بظاہر اس کے پاس زیادہ آزادی ہے اور ابلاغ کے زیادہ ذرائع، مگر یہ ساری چیزیں یا کھلونے اس کی تنہائی کی ایک بلند بانگ چیخ سے زیادہ نہیں۔

اس وقت خبروں اور مارکیٹنگ کی بنیاد جھوٹ کو سچ، غیر حقیقی کو حقیقی، ناخالص کو خالص، غیر فطری کو فطری ثابت کرنے پر اصرار پر ہے۔ دوسری طرف آئنسکو حقیقی کو غیر حقیقی دکھا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آج کا وہ ذہن جو غیر حقیقی کو حقیقی سمجھنے کی طرف مائل ہے، وہ آئنسکو کی طرف کس طرح متوجہ ہوگا۔؟

مغرب میں لایعنیت اور بے معنویت کی شکلوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ محض مغربی فینامینا نہیں رہ گیا۔ مغرب اب محض جغرافیے تک محدود نہیں، یہ طرزِ فکر اور طرزِ

زندگی ہے۔ بڑے بڑے شہروں کے جنگل بڑھ رہے ہیں۔ بڑے شہروں میں تنہائی ایک عفریت کی صورت سامنے آئی ہے۔ فرانسس بیکن نے کہا تھا کہ بڑا شہر بڑی تنہائی ہے۔ سرمایہ داریت میں بظاہر فرد کو آزادی دی جاتی ہے۔ 'سب سے پہلے آپ'، 'تم ہی تو ہو' بہت سی مصنوعات کا تھیم ہے۔ صارفین کا بے مہابا اور بے سمت ہجوم بڑھتا چلا جا رہا ہے، جنہیں تنہا اور نہتا کر کے مارا جا رہا ہے۔ آدمی کی چیخ کھلونوں اور مشینوں کے نیچ دب رہی ہے۔ ہجوم کو فرصت نہیں کہ ایسی چیخوں پر متوجہ ہو۔ اس کا کام تو آگے بڑھتے جانا ہے۔ لمحہ بہ لمحہ ہونے والی تبدیلیوں اور 'خبروں' کا حجم اس قدر زیادہ ہے کہ حقیقی خبر سامنے ہی نہیں آتی۔ اس قدر زیادہ بولا اور لکھا جا رہا ہے کہ لفظ اپنی حرمت کھو چکا۔ میری انگلیاں اور دماغ کہیں رک نہیں پا رہے۔ دن بھر میں بریکنگ نیوز سنتا ہوں، لائک، ڈس لائک اور فارورڈ کرتا ہوں اور اپنی تنہائی دور کرتا ہوں۔ بعض اوقات خوش بھی ہوں کہ دنیا میں اپنا کردار ادا کر رہا ہوں۔ لمحے بھر کو میری زندگی میں مقصدیت امنڈ آتی ہے، جس سے بیسویں صدی کے نصف اول کا انسان یقیناً محروم تھا۔ ڈرامے کے دونوں مرکزی کردار دنیا بھر سے کٹے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ان کے آپس کے تعلق میں بھی سرسری پن ہے۔ جن مہمانوں کے استقبال کی تیاری ہو رہی ہے، وہ محض خیالی پیکر ہیں۔ اگر ان دونوں کے پاس فیس بک اکاؤنٹ ہوتا تو انھیں خالی کرسیوں سے ہم کلام ہونے کی حاجت نہ ہوتی۔

عالمی گاؤں بننے کے بعد ہمسائیگی کی definition میں توسیع ہو گئی ہے۔ اب میں پوری دنیا کے ہم خیالوں سے جڑا ہوا ہوں۔ میں جیسا کیسا ہوں مجھ جیسے لاکھوں کروڑوں نہیں تو ہزاروں تو ہیں۔ میں جب چاہوں، جیسے چاہوں، جسے چاہوں گالی دوں یا جیسے چاہوں اپنے نظریات کی تبلیغ کروں۔۔۔۔۔ دیکھتے ہیں یہ تماشہ کب ختم ہوگا؟

صارفیت، عالم گیریت اور اس کے نتیجے میں یکسانیت۔۔۔ یہ سب کچھ فرد کو تنہا کرتا جا رہا ہے۔ جب تک یہ ماحول موجود ہے، لایعنیت کا تھیٹر بھی relevent ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اکیسویں صدی کا انسان کتنی دیر ان نئے کھلونوں سے بہلتا ہے۔ کبھی نہ کبھی وہ جنوں میں آ کر ان کھلونوں کو تہس نہس کرنے کی کوشش کرے گا۔ کھلونا ساز بھی اس خطرے سے آگاہ ہیں، اسی لیے نت نئے کھلونے بنتے جا رہے ہیں، بنتے جا رہے ہیں اور کھلونوں کے درمیان

میں بے وقعت ہوتا جا رہا ہوں، بلکہ کھلونے اور میرے درمیان تفریق بھی معدوم ہوتی جا رہی ہے۔۔۔۔

- - - - - - - - - -

۷۰ء کی دہائی میں جمال پانی پتی نے اس ڈرامے پر ایک نہایت عمدہ تعارفی اور تنقیدی مضمون لکھا تھا، جسے افادیت کے پیشِ نظر یہاں شامل کیا گیا ہے۔ آخر میں مَیں تہ دل سے ڈاکٹر یوسف خشک اور عزیز دوست اختر رضا سلیمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے اس ترجمے کو اپنے اشاعتی منصوبے میں شامل کیا۔

صفدر رشید

مارچ ۲۰۲۰

کردار

۱۔ بوڑھا
۲۔ بڑھیا
۳۔ مقرر

سین۔۱

[پردہ اٹھتا ہے، نیم روشنی ہے، بوڑھا آدمی سٹول پر بیٹھا ہے، کھڑکی سے باہر کی طرف کو بائیں جانب جھکا ہوا ہے، بوڑھی عورت گیس لیمپ روشن کرتی ہے، سبز روشنی۔ وہ بوڑھے آدمی کے قریب جاتی ہے اور اسے آستینوں سے پکڑتی ہے۔]

بڑھیا: میرے پیارے آ جاؤ، کھڑکی بند کر دو۔ اس کھڑے پانی سے سڑاند آ رہی ہے اور اس کے علاوہ مچھر بھی اندر آ رہے ہیں۔

بوڑھا: مجھے تنہا چھوڑ دو۔

بڑھیا: اف، اف، میری جان آؤ بیٹھ جاؤ۔ تمہیں باہر کی طرف نہیں جھکنا۔ کہیں تم پانی میں نہ گر جاؤ۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ فرانکوئس اوّل کے ساتھ کیا ہوا؟

بوڑھا: تاریخ میں اور بھی مثالیں موجود ہیں! جانِ من، میں تاریخ سے بیزار ہو چکا ہوں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں......سورج کی روشنی میں یہ کشتیاں دھبے دکھائی دے رہے ہیں۔

بڑھیا: تمہیں وہ کیسے دکھائی دے رہی ہیں، سورج کی روشنی تو ہے ہی نہیں، پیارے! یہ رات کا وقت ہے۔

بوڑھا: ابھی کچھ سایہ ہے *[وہ کافی آگے تک جھکتا ہے]*

بڑھیا: *[اپنی پوری قوت سے اسے اندر کی طرف کھینچتی ہے]* اوہ! میرے پیارے، تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا............آؤ بیٹھ جاؤ، تم انھیں کسی بھی صورت......آتا ہوا نہیں دیکھ پاؤ گے،

کوشش کرنا بھی لا حاصل ہوگا، اندھیرا ہے............

بوڑھا: میں دیکھنا چاہتا تھا............تم جانتی ہو کہ مجھے پانی دیکھنا کس قدر اچھا لگتا ہے۔

بڑھیا: جانِ من! یہ تمہیں کس طرح اچھا لگتا ہے......؟ مجھے تو چکر آ جاتے ہیں۔ آہ! میں اس گھر، اس جزیرے کی عادی نہیں بن سکی۔ ہمارے چاروں طرف پانی ہی پانی ہے......کھڑکی کے نیچے پانی، دور افق تک پانی۔

سین۔۲

[بڑھیا بوڑھے کو نیچے کی طرف گھسیٹتی ہے اور وہ نیچے سٹیج پر پڑی دو کرسیوں کی طرف بڑھتے ہیں؛ بوڑھا بالکل فطری انداز میں اپنے آپ کو بڑھیا کی گود میں بٹھا لیتا ہے۔]

بوڑھا: شام کے چھ بجے ہیں...... پہلے ہی اندھیرا ہے۔ پہلے تو ایسا نہیں ہوتا تھا، تمہیں یقیناً یاد ہوگا، شام کے نو بجے، دس بجے اور آدھی رات کو بھی دن کا اجالا ہوتا تھا۔

بڑھیا: آؤ، اس پر سوچیں، بالکل درست کہا، تمہاری یادداشت کتنی زبردست ہے!

بوڑھا: مجھے نہیں معلوم، سیمی رے مس، میری جان......شاید اس کا سبب یہ ہے کہ جتنا آگے کوئی جاتا ہے، اتنا ہی وہ ڈوبتا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین اردگرد پر مڑتی رہتی ہے۔ اردگرد، اردگرد۔

بڑھیا: اردگرد، اردگرد، میرے ننھے رفیق (Little Pet) [خاموشی] آہ! ہاں، تم نہایت عمدہ فہم و فراست کے مالک ہو، میرے پیارے، تم غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک ہو، اگر تم چاہتے تو سب سے بڑا صدر، بڑا بادشاہ یا حتیٰ کہ بڑا ڈاکٹر یا بڑا جنرل بن سکتے تھے......اگر تمہاری زندگی میں جاہ طلبی کی تھوڑی سی بھی جگہ ہوتی............

بوڑھا: اس سے ہماری زندگی میں کیا فرق پڑتا؟ ہم اس سے بہتر زندگی نہیں گزار سکتے تھے......اور دوسرا یہ کہ، یہاں ہماری ایک حیثیت ہے، ہر لحاظ سے میں جنرل ہوں، اس گھر کا، میں ایک بندۂ بے دام ہوں (General Factotum)۔

بڑھیا: [بوڑھے کو تھپتھپاتے ہوئے، جیسے بچے کو تھپتھپایا جاتا ہے] میرے پیارے، میرے ننھے رفیق۔

بوڑھا: میں بوریت زدہ ہوں۔

بڑھیا: جب تم پانی کی طرف دیکھ رہے تھے تو تم زیادہ ہشاش بشاش تھے......آؤ یقین کر کے اپنے آپ کو محظوظ کریں، جس طرح تم نے پچھلی شام کو کیا تھا۔

بوڑھا: خود یقین [قائم] کرو، یہ تمہاری باری ہے۔

بڑھیا: یہ تمہاری باری ہے۔

بوڑھا: تمہاری باری

بڑھیا: تمہاری باری

بوڑھا: تمہاری باری

بڑھیا: تمہاری باری

بوڑھا: اپنی چائے پیو، سیمی رے مس

[یقیناً کپ خالی ہیں]

بڑھیا: اب بس بھی کرو، فروری کے مہینے کی نقل کرو۔

بوڑھا: مجھے سال کے مہینے ناپسند ہیں۔

بڑھیا: ہمارے پاس اب تک صرف وہی ہیں۔ آ ؤنا، صرف میری خاطر............

بوڑھا: ٹھیک ہے، تو یہ ہے فروری کا مہینہ۔ [وہ اپنے سر کو Stan Laurel کی طرح کھرچتا ہے]

بڑھیا: [ہنستے اور سراہتے ہوئے] بالکل درست، شکریہ، شکریہ، تم ممکنہ حد تک من موہن ہو، میرے ڈارلنگ [وہ اس سے بغلگیر ہوتی ہے]

اوہ، تم ایسے خوش بخت ہو، اگر تم چاہتے تو کم از کم ایک بڑے جنرل ہوتے............

بوڑھا: میں جنرل ہوں، جنرل بندۂ بے دام [خاموشی]

سین۔۳

بڑھیا: مجھے کہانی سناؤ، تم وہ کہانی جانتے ہو، ''پھر بالآخر ہم پہنچ گئے......''

بوڑھا: پھر سے؟...... میں تنگ آ گیا ہوں اس سے...... ''پھر بالآخر ہم پہنچ گئے'' پھر دوبارہ......تم بار بار مجھے ایک ہی چیز کا کہتی ہو!

''پھر بالآخر ہم پہنچ گئے'' مگر اس میں یکسانیت ہے۔ تم پچھتر برسوں میں، جب سے ہماری شادی ہوئی ہے، ہر ایک شام، بلاشبہ سہانی شام، تم نے مجھے مجبور کیا کہ وہ کہانی سناؤں، تم نے مجھ سے ایک جیسے لوگوں کی، ایک جیسے مہینوں کی نقالی کروائی...... ہمیشہ ایک جیسے...... چلو کسی اور موضوع پر بات کریں......

بڑھیا: میری جان، میں اس سے اکتائی نہیں...... یہ تمہاری زندگی ہے، اس نے تو مجھے موہ لیا ہے۔

بوڑھا: یہ تو تمھیں زبانی یاد ہے۔

بڑھیا: ہوتا یوں ہے کہ لگتا ہے کہ جیسے اچانک میں ہر شے بھول گئی ہوں...... جیسے میرا ذہن ہر شام ایک کورا کاغذ ہو...... ہاں، میری جان، میں جان بوجھ کر ایسا کرتی ہوں، میں نمکیات کی ایک خوراک لیتی ہوں...... میں پھر سے نئی بن جاتی ہوں، تمہارے لیے، میری جان، ہر شام...... آ ؤنا، کہانی پھر شروع کرو، پلیز

بوڑھا: اچھا، اگر تمہاری خواہش ہے تو ٹھیک ہے۔

بڑھیا: چلو پھر، اپنی کہانی سناؤ...... یہ میری بھی تو ہے، جو کچھ تمہارا ہے، وہ میرا ہے! پھر بالآخر ہم پہنچ گئے......

بوڑھا: پھر بالآخر ہم پہنچ گئے...... میری جان......

بڑھیا: پھر بالآخر ہم پہنچ گئے...... میرے پیارے......

بوڑھا: پھر بالآخر ہم ایک بڑی باڑ کے قریب پہنچ گئے...... ہم پوری طرح بھیگ چکے تھے، ہڈیاں تک یخ بستہ ہو گئی تھیں، گھنٹوں، دنوں، راتوں، ہفتوں کے لیے......

بڑھیا: مہینوں کے لیے............

بوڑھا: ....بارش میں............ ہمارے کان، ہمارے پاؤں، ہمارے گھٹنے، ہمارے ناک، ہمارے دانت بے سبب حرکت میں تھے...... یہ اسّی برس قبل ہوا...... وہ ہمیں اندر نہیں آنے دے رہے تھے...... انھیں کم از کم باغ کا دروازہ کھول دینا چاہیے تھا...... [خاموشی]

بڑھیا: باغ میں گھاس گیلا تھا۔

بوڑھا: وہاں ایک راستہ تھا جو ایک چھوٹے سے چوراہے اور مرکز میں، ایک دیہی چرچ کی طرف جاتا تھا...... یہ گاؤں کہاں تھا؟ کیا تمہیں کچھ یاد ہے؟

بڑھیا: نہیں میرے پیارے، میں بھول چکی ہوں۔

بوڑھا: ہم وہاں کیسے پہنچے؟ وہ سڑک کہاں ہے؟ میرا خیال ہے، اس شہر کو پیرس کہا جاتا تھا......

بڑھیا: میرے ننھے پیارے، پیرس تو کبھی موجود نہ تھا۔

بوڑھا: اس شہر کا وجود ہوگا کیوں کہ یہ تباہ و برباد ہو چکا ہے...... یہ روشنیوں کا شہر تھا، مگر اسے بجھا دیا گیا، چار ہزار سال قبل بجھا دیا گیا...... آج اس شہر میں سوائے اس گیت کے کچھ باقی نہیں ہے۔

بڑھیا: حقیقی گیت ہے؟ عجیب سی بات ہے، کون سا گیت؟

بوڑھا: ایک لوری، ایک تمثیل: ''پیرس ہمیشہ پیرس رہے گا۔''

بڑھیا: اور اس کا راستہ اس باغ میں سے تھا؟ کیا یہ دور تھا؟

بوڑھا: [خواب دیکھتے ہوئے کھو جاتا ہے]: وہ گیت؟...... وہ بارش؟......

بڑھیا: تم پر بہت عطا ہوئی ہے۔ اگر زندگی میں تمہاری ذرا سی بھی دلچسپی ہوتی تو تم بڑے بادشاہ، بڑے صحافی، بڑے مزاح گو، بڑے جنرل بن سکتے تھے...... افسوس جب کہ سب کچھ نالی میں بہہ چکا ہے...... اس پرانی سیاہ نالی میں...... نیچے اس پرانی نالی میں، میں تمہیں بتائے دیتی ہوں۔ [خاموشی]

بوڑھا: پھر بالآخر ہم پہنچ گئے......

بڑھیا: ہاں ہاں، آگے چلو.......... مجھے بتاؤ..........

بوڑھا: *[بڑھاپے کی نقاہت کے باعث بڑھیا پہلے آہستہ آہستہ ہنسنا شروع کرتی ہے، پھر بتدریج اس کی آواز میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، بوڑھا بھی ہنستا ہے اور بات جاری رکھتا ہے]*:

پھر بالآخر ہم پہنچ گئے، ہم ہنستے گئے یہاں تک کہ ہم نے رونا شروع کر دیا، کہانی اس قدر احمقانہ تھی...... وہ احمق پوری رفتار سے (بھاگ کر) آیا...... وہ احمق ننگے پیٹ تھا اور پیٹ بھی پھولا ہوا...... وہ چاولوں سے بھرے ہوئے تھیلے سمیت آیا؟ چاول زمین پر گر گئے...... وہ احمق بھی زمین پر گر گیا، اپنے پیٹ سمیت...... پھر آخر کار، ہم ہنستے گے، ہم ہنستے گئے، ہم ہنستے گئے، وہ احمقانہ پیٹ، زمین پر چاولوں کے ساتھ ننگے پیٹ، چاولوں کا تھیلا، چاولوں سے اکتائے ہوئے پیٹ کی زمین پر گرنے کی کہانی، ننگا پیٹ، چاولوں سمیت، آخر کار ہم ہنسے، وہ احمق بالآخر آیا، ننگے پیٹ، ہم ہنسے...... [ہنستے ہوئے] آخر کار ہم احمقوں کی طرح ہنسے، آخر کار ننگے پہنچے، ہم ہنستے گئے، وہ تھیلا، چاولوں سے بھرا تھیلا، چاول پیٹ پر، زمین پر......

بوڑھا اور بڑھیا: [اکٹھے ہنستے ہوئے] آخر کار ہم ہنسے، آہ! ...... ہنسے...... پہنچے...... پہنچے...... آہ...... آہ!...... چے...... پہنچے...... پہنچے...... وہ احمقانہ ننگا پیٹ...... چاولوں سمیت پہنچا...... چاولوں سمیت پہنچا...... [ہم بس یہ سنتے ہیں] آخر کار ہم...... ننگے پیٹ...... پہنچے...... وہ تھیلا...... [پھر بوڑھا اور بڑھیا آہستہ آہستہ پرسکون ہو جاتے ہیں] ہم ہنس...... آہ!...... سے...... آہ اپہنچے...... آہ!...... پہنچے...... نسے...... نسے۔

بڑھیا: تو یہ ہوا تھا، تمہارا حیران کن پیرس۔

بوڑھا: اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا؟

بڑھیا: ارے جانِ من، تم کس قدر شاندار ہو۔ اوہ! واقعی تم جانتے ہو، واقعی، واقعی، تم زندگی میں کچھ بھی بن سکتے تھے، اس بندۂ بے دام سے کہیں بڑھ کے۔

بوڑھا: ہمیں عاجزی کا مظاہرہ کرنا چاہیے...... ہمیں تھوڑے پر بھی مطمئن ہونا چاہیے......

سین ۔۴

بڑھیا: مجھے لگتا ہے تم نے اپنا کیریئر برباد کرلیا ہے؟

بوڑھا: [اچانک رونے لگتا ہے] میں نے برباد کیا ہے؟ میں نے؟ میں نے کر دیا ہے؟ آہ! تم کہاں ہو، ماں، ماں، تم کہاں ہو ماں؟ ہی ہی ہی، میں یتیم ہوں [وہ کراہتا ہے]......

بڑھیا: میں ہوں نا، تمہیں کس بات کا ڈر ہے؟

بوڑھا: نہیں، سیمی رے مس، میری جان، تم میری ماں تو نہیں ہو...... یتیم، شتیم، مجھے کون بچائے گا؟

بڑھیا: میں ہوں نا، میری جان!

بوڑھا: ان دونوں (رشتوں) میں فرق ہے...... مجھے اپنی ماں چاہیے، تم نہیں، تم میری ماں نہیں ہو، تم............

بڑھیا: [اسے سہلاتے ہوئے] تم نے تو میرا دل توڑ دیا ہے، مت رو، میرے بچے۔

بوڑھا: ہی ہی، مجھے جانے دو، ہی ہی، میں مکمل برباد ہو گیا ہوں، میں مکمل بھیگ چکا ہوں، میرا کیریئر ختم ہو گیا ہے، برباد ہو گیا ہے۔

بڑھیا: چپ ہو جاؤ نا۔

بوڑھا: [بچے کی طرح منہ کھول کر آہیں بھرتا ہے] میں یتیم...... شتیم

بڑھیا: [اسے بہلا کر راضی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے]: میرے یتیم، میری جان، تم اس طرح تم میرا دل توڑ رہے ہو، میرے یتیم [وہ بوڑھے کو جھولا دینے کے انداز میں بلاتی ہے،

جو دوبارہ اس کے گھٹنوں میں بیٹھا ہوا ہے]

بوڑھا: [سسکیاں لیتے ہوئے] ہی، ہی، ہی! میری ماں! میری ماں کہاں ہے؟ اب میری ماں کہیں نہیں ہے۔

بڑھیا: میں تمہاری بیوی ہوں، میں ہی وہ ہوں جو اب تمہاری ماں ہے۔

بوڑھا: [اب ذرا بحال ہوتا ہے] یہ صحیح نہیں ہے، میں یتیم نہیں ہوں، ہی، ہی، ہی

بڑھیا: [ابھی تک اسے جھولاتے ہوئے] میرے منے (میرے پالتو) میرے یتیم، شتیم، پتیم، ٹتیم۔

بوڑھا: [ابھی بھی اکھڑے اکھڑے انداز میں، مگر بتدریج بحال ہوتے ہوئے]: نہیں...... مجھے ضرورت نہیں؛ مجھے ضرو......رت نہیں۔

بڑھیا: [گنگناتے ہوئے]: یتیمی، یتیمی، یتیمو، یتیموو۔

بوڑھا: نہیں......ن...... ہیں......

بڑھیا: [پہلے کی طرح] لولولولا لا، لولولولولا لا، یتیمی، شتیمی، شتیمو، رتیمو......

بوڑھا: ہی، ہی، ہی، [ناک سے سوں سوں کرتے ہوئے، آہستہ آہستہ بحال ہوتے ہوئے] وہ کہاں ہے؟ میری ماں۔

بڑھیا: جنت میں...... وہ تمہیں سن سکتی ہے، دیکھ سکتی ہے، پھولوں کے درمیان؛ مزید مت رونا، ورنہ میں رو پڑوں گی!

بوڑھا: یہ بھی درست نہیں ہے...... وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی...... وہ مجھے نہیں سن سکتی، میں یتیم ہوں، زمین پر، تم میری ماں نہیں ہو......

بڑھیا: [بوڑھا تقریباً پرسکون ہے] اب بس کرو، اتنے پریشان مت ہو......تم میں بے شمار خوبیاں ہیں، میرے پیارے جنرل......اپنے آنسو پونچھو۔ آج شام مہمان لازمی آئیں گے، اور انھیں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھنا چاہیے............سب کچھ فنا نہیں ہوا، سب کچھ برباد نہیں گیا......تمہیں زندہ رہنا ہے، تمہیں اپنے پیغام کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے............

سین ۔۵

بوڑھا: میرا ایک پیغام ہے، جو خدا کی سچائی ہے، میں جدوجہد کرتا ہوں، ایک مشن، مجھے کچھ کہنا ہے، ایک پیغام جس کا ابلاغ انسانیت، نوع انسانی کو کرنا ہے......

بڑھیا: بنی نوع انسان کو، میرے پیارے، تمہارا پیغام......

بوڑھا: سچ کہا، ہاں، بالکل سچ......

بڑھیا: [وہ بوڑھے کی ناک صاف کرتی ہے، اس کے آنسو پونچھتی ہے]: یہ ہوئی نا بات، تم مرد ہو، ایک سپاہی، ایک بندۂ بے دام......

بوڑھا: [وہ بڑھیا کی گود سے اترتا ہے اور ردِعمل ظاہر کرتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہے]: میں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہوں، میرا زندگی میں کوئی آدرش ہے۔ جیسا کہ تم کہتی ہو مجھ پر عطا ہوئی ہے، مجھ میں کچھ صلاحیتیں ہیں، مگر زندگی میرے لیے آسان نہیں ہے۔ میں نے بطور بندۂ بے دام اپنی بساط بھر خدمت کی ہے۔ میں نے باعزت طریقے سے حالات کو قابو میں رکھا ہے، اور بس یہ بات کافی ہونی چاہیے......

سین ۔۶

بڑھیا: تمہارے لیے نہیں، تم دوسروں کی مانند نہیں ہو، تم کہیں زیادہ عظیم ہو، اور یہ کہ تم کچھ کر سکتے تھے، اگر تم دوسروں کو اپنے ساتھ رکھتے، جیسے دوسرے لوگ کرتے ہیں، تم اپنے تمام دوستوں کے ساتھ، تمام ڈائریکٹروں کے ساتھ، تمام جرنیلوں کے ساتھ اور خود اپنے ہی بھائی کے ساتھ جھگڑا کر چکے ہو۔

بوڑھا: اس میں میرا کوئی دوش نہیں، سیمی رے مس، تم اچھی طرح سے جانتی ہو کہ اس نے کیا کہا تھا؟

بڑھیا: اس نے کہا کیا تھا؟

بوڑھا: اس نے کہا تھا: ''میرے دوستو، میرے پسو پڑ گئے ہیں، میں اس امید پر تم سے ملنے آؤں گا کہ یہ پسو تم پر چھوڑ دوں۔''

بڑھیا: پیارے، لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہی ہیں۔ تمہیں اس طرح کی باتوں پر کان نہیں دھرنے چاہییں۔ مگر کارل کے ساتھ کیا کیا، اس سے تم اس قدر ناراض کیوں ہو گئے تھے؟ کیا یہاں بھی اسی کا قصور تھا؟

بوڑھا: تم مجھے اشتعال دلا رہی ہو، مجھے غصہ دلا رہی ہو۔ بلاشبہ اسی کا قصور تھا۔ ایک شام وہ آیا اور کہنے لگا: ''میں ایک ایسا لفظ جانتا ہوں جس کا پورا اطلاق تم پر ہوتا ہے، لیکن میں وہ نہیں ادا کروں گا، میں اسے محض سوچوں گا۔'' اور وہ احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔

بڑھیا: مگر میری جان، وہ دل کا بہت اچھا تھا۔ اس زندگی میں تمہیں اتنا حساس نہیں ہونا چاہیے۔

بوڑھا: مجھے اس طرح کے مذاق کی پرواہ نہیں۔

بڑھیا: تم بڑے ایڈمرل، بڑے الماری ساز، بڑے آرکسٹرا منعقد کرنے والے ہو سکتے تھے۔

[لمبی خاموشی، وہ کچھ دیر اپنی کرسیوں پر بے حس و حرکت بیٹھے رہتے ہیں]

سین۔ ۷

بوڑھا: [جیسے خواب دیکھ رہا ہو] باغ کے سرے پر وہاں تھا...... وہاں تھا...... وہاں تھا، جان من وہاں کیا تھا؟

بڑھیا: شہر پیرس!

بوڑھا: سرے پر، سرے پر، پیرس شہر کے سرے پر، تھا، تھا، کیا تھا؟

بڑھیا: میرے پیارے، تھا کیا، میرے پیارے، تھا کون؟

بوڑھا: جگہ اور موسم حسین تھے......

بڑھیا: موسم اتنا خوشگوار تھا، کیا تمہیں پکا یقین ہے؟

بوڑھا: جگہ مجھے یاد نہیں آ رہی ہے............

بڑھیا: پھر اپنے دماغ پر بوجھ مت ڈالو............

بوڑھا: یہ بے حد دور ہے، اب میں اسے...... مزید ذہن میں نہیں لا سکتا...... یہ کہاں تھا؟

بڑھیا: آخر کیا؟

بوڑھا: میں کیا...... میں کیا...... یہ کہاں تھا؟ اور کون؟

بڑھیا: یہ جہاں کہیں بھی ہو، میں تمہارے ساتھ ہر جگہ جاؤں گی، جان من، میں تمہارے

پیچھے آؤں گی۔

بوڑھا: آہ! مجھے اپنا اظہار کرنے میں بہت زیادہ دقت ہوتی ہے...... مگر مجھے سب کچھ بتا دینا ہے۔

بڑھیا: یہ ایک مقدس فریضہ ہے۔ تمہیں اپنے پیغام کو دنیا سے اوجھل رکھنے کا حق نہیں ہے۔ تمہیں اسے نوع انسانی پر ظاہر کرنا پڑے گا، وہ اس کے انتظار میں ہے...... کائنات تمہارے انتظار میں ہے۔

بوڑھا: ہاں، ہاں، میں بولوں گا۔

بڑھیا: کیا تم نے واقعی فیصلہ کر لیا ہے؟ تمہیں کر لینا چاہیے۔

بوڑھا: اپنی چائے پیو۔

بڑھیا: تم بڑے مقرر بن سکتے تھے، اگر زندگی میں تم ذرا زیادہ قوت ارادی کے مالک ہوتے...... مجھے فخر ہے، میں خوش ہوں کہ آخر کار فیصلہ کر ہی لیا کہ تم ہر ملک، یورپ، ہر براعظم سے بات کرو گے!

بوڑھا: بدقسمتی سے مجھے اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں بہت دقت ہوتی ہے، یہ میرے لیے آسان نہیں ہے۔

بڑھیا: ایک مرتبہ شروع ہو جائے تو پھر دقت نہیں ہوگی، جیسے زندگی اور موت...... بس ذہنی طور پر یکسو ہو جانا کافی ہے...... یہ بولنے کے دوران ہوتا ہے کہ خیالات ہمارے ذہن میں آنے لگتے ہیں۔ الفاظ، اور پھر ہم، ہم لفظوں میں، ہم ہر شے پا لیتے ہیں، یہ شہر بھی، یہ باغ اور پھر ہم مزید یتیم نہیں رہتے۔

بوڑھا: جو آج بولے گا وہ میں نہیں ہوں گا، میں نے ایک پیشہ ور مقرر کی خدمات حاصل کی

ہیں، میری جگہ وہ بولے گا، تم دیکھ ہی لوگی۔

سین۔۸

بڑھیا: تو کیا واقعی، یہ آج شام کو ہی ہو رہا ہے؟ اور کیا تم نے ہر کسی کو مدعو کر لیا ہے، تمام کردار، تمام جائیدادوں کے تمام مالکان اور تمام دانشور؟

بوڑھا: ہاں، تمام مالکان اور تمام دانشور۔ [خاموشی]

بڑھیا: اور بھنگی؟ پادری؟ دوا فروش؟ قلعی گر؟ وائلن نواز؟ وفود؟ صدور؟ پولیس؟ تاجر؟ عمارتیں؟ قلم دان؟ کروموسوم؟

بوڑھا: ہاں، ہاں، اور ڈاک خانے کے ملازمین، سرائے کے مالکان اور فنکار، ہر وہ شخص جس میں تھوڑی بہت دانش ہے یا صاحب ملکیت ہے۔

بڑھیا: اور بینکار؟

بوڑھا: ہاں، بلایا ہے۔

بڑھیا: مزدور؟ Functionaries؟ افواج؟ انقلابی؟ باغی؟ ماہرین نفسیات اور ان کے نفسیاتی مریض؟

بوڑھا: بلا شبہ، یہ تمام، یہ تمام، یہ تمام، بلائے گئے ہیں۔ اصل میں ہر شخص یا دانش ور یا صاحب جائیداد۔

بڑھیا: جان من، پریشان مت ہو جانا، میرا مقصد تمھیں ناراض کرنا نہیں، تم ہر جینئس کی طرح غائب دماغ ہو، یہ اجلاس بہت اہم ہے۔ یہ تمام آج یہاں ہوں گے۔ تمھیں ان کی

تعداد معلوم ہے؟ کیا انھوں نے آنے کا وعدہ کیا ہے؟

بوڑھا: اپنی چائے پیو، سیمی رے مس۔ [خاموشی]

بڑھیا: پوپ، پپیتے اور پیپر (کاغذ)۔

بوڑھا: میں نے انہیں مدعو کیا ہے۔ [خاموشی] میں اپنے پیغام کا ان تک ابلاغ کروں گا...... اپنی پوری زندگی، مجھے محسوس ہوتا رہا کہ میرا گلا گھونٹا ہوا ہے؛ اور اب، وہ سب کچھ جان جائیں گے، تمہارا اور اس مقرر کا میں شکر گزار ہوں، فقط تمہی ہو جو مجھے سمجھ پائے ہیں۔

بڑھیا: مجھے تم پر ناز ہے......

بوڑھا: یہ اجتماع چند منٹوں بعد ہو جائے گا۔

بڑھیا: تو پھر یہ درست ہے کہ وہ آج شام آ رہے ہیں؟ اب تم اپنے آپ کو مزید روتا ہوا محسوس نہیں کرو گے۔ دانشور اور صاحب جائیداد باپوں اور ماؤں کی جگہ لے لیں گے؟ [خاموشی] کیا تم یہ اجلاس ملتوی نہیں کر سکتے؟ کیا یہ ہمیں تھکا نہیں دے گا؟

[متشدد انداز میں سراپا احتجاج ہوتا ہے، کچھ لمحوں تک بوڑھا بچوں کی مانند چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے بڑھیا کے گرد منڈلاتا ہے۔ دروازوں میں سے ایک دروازے کی جانب ایک یا دو قدم اٹھاتا ہے، پھر واپس آ جاتا ہے اور دوبارہ اس کے گرد چکر لگاتا ہے]

بوڑھا: تمہارا واقعی گمان ہے کہ یہ ہمیں تھکا دے گا؟

بڑھیا: تمہیں ہلکا سا نزلہ ہے۔

بوڑھا: میں اسے کیسے منسوخ کر سکتا ہوں؟

بڑھیا: انھیں کسی اور شام مدعو کر لو، تم انھیں فون کر سکتے ہو۔

بوڑھا: نہیں، میرے خدایا، میں یہ نہیں کرسکتا، بہت دیر ہوچکی ممکن ہے وہ نکل پڑے ہوں!

بڑھیا: تمھیں زیادہ محتاط ہونا چاہیے تھا۔

سین۔۹

[ہمیں پانی میں سبک رفتار کشتی کے چلنے کی آواز سنائی دیتی ہے]

بوڑھا: میرا خیال ہے کہ پہلے ہی کوئی پہنچ چکا ہے۔[کشتی کے چلنے کی آواز اب زیادہ واضح سنائی دیتی ہے]...... ہاں، وہ آرہے ہیں۔

[بڑھیا بھی اٹھتی ہے اور لڑکھڑاتی ہوئی چلتی ہے]

بڑھیا: شاید یہ مقرر [آرہا] ہے

بوڑھا: وہ اس قدر جلد نہیں آسکتا۔کوئی اور ہوگا[ہمیں دروازے کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دیتی ہے] آہ!

بڑھیا: آہ!

[پریشانی کے عالم میں بوڑھا اور بڑھیا دائیں طرف ایک گوشے میں پوشیدہ دروازے کی طرف بڑھتے ہیں۔جونہی وہ سٹیج کے سامنے (Upstage) آتے ہیں تو کہتے ہیں]

بوڑھا: آؤنا......

بڑھیا: میرے بال اچھے دکھائی دینے چاہییں...... ذرا انتظار کرو......

[وہ اپنے بال اور کپڑے سنوارتی ہے اور سرخ موٹی جرابیں پہنتی (چڑھاتی) ہے]

بوڑھا: تمھیں پہلے ہی تیار ہونا چاہیے تھا...... کتنا وقت تھا تمہارے پاس۔

بڑھیا: میں نے کتنا برا لباس پہنا ہے...... میرا گاؤن پرانا ہے اور سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں......

بوڑھا: تمھیں صرف اس پر استری کرنا تھی...... جلدی کرو! تمھاری وجہ سے مہمانوں کو انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔

[بوڑھا اور اس کے پیچھے پیچھے بڑھیا بڑبڑاتے ہوئے گوشے (Recess) میں دروازے تک پہنچتے ہیں، کچھ دیر کے لیے ہم انھیں نہیں دیکھ پاتے؛ ہم انھیں دروازہ کھولتے ہوئے اور پھر بند کرتے ہوئے سنتے ہیں، اور کوئی اندر داخل ہوتا ہے]

بوڑھے کی آواز: شام بخیر، مادام، براہِ کرم اندر تشریف لائیے۔ہم آپ سے مل کر بہت خوش ہیں۔یہ میری بیوی ہے۔

بڑھیا کی آواز: شام بخیر، مادام، مجھے آپ سے واقفیت حاصل کر کے بے حد خوشی ہوئی ہے، احتیاط سے، آپ کا ہیٹ خراب نہ ہوجائے۔اگر آپ ہیٹ کی پن نکال دیں تو آپ سہولت میں رہیں گی۔اوہ! نہیں، اس پر کوئی نہیں بیٹھے گا۔

بوڑھا: اپنی فر (fur) وہاں نیچے رکھ دیں۔آئیے میں آپ کی مدد کردوں۔اسے کچھ نہیں ہوگا۔

بڑھیا: اوہ! کتنا پیارا سوٹ ہے، اور آپ کے بلاؤز کے رنگ کس قدر خوبصورت ہیں...... آپ بسکٹ لیجیے...... اوہ، پر موٹاپا ہرگز نہیں ہے...... گول مول...... اپنی چھتری بے فکر ہو کر وہاں رکھ دیں۔

بوڑھا: براہ کرم میرے پیچھے آئیے۔

بوڑھا: [نظر نہ آنے والی خاتون کو] آپ کو موسم اچھا ملا؟

بڑھیا: [خاتون کو] تھکاوٹ تو زیادہ نہیں ہوئی؟...... ہیں، تھوڑی بہت۔

بوڑھا: [خاتون کو] پانی کے کنارے پر......

بڑھیا: [خاتون کو] ایسا کہنا آپ کی ذرہ نوازی ہے۔

بوڑھا: [خاتون کو] میں آپ کے لیے کرسی لے آؤں۔ [بوڑھا بائیں جانب جاتا ہے۔ وہ دروازے نمبر ۶ سے باہر نکلتا ہے]

بڑھیا: [خاتون کو] براہ کرم یہ لے لیں۔ [وہ دو میں سے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور دوسری کرسی پر نہ نظر آنے والی خاتون کے دائیں طرف بیٹھ جاتی ہے:] یہاں ذرا گرمی محسوس ہو رہی ہے۔ ہے نا؟ [وہ خاتون کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہے] آپ کا پنکھا کتنا پیارا ہے! میرے شوہر نے [بوڑھا ہاتھ میں کرسی اٹھائے دروازے نمبرے سے پھر داخل ہوتا ہے]...... بالکل اسی طرح کا دیا تھا...... یہ کوئی تہتر برس پرانی بات ہوگی...... اور اب بھی میرے پاس ہے...... [بوڑھا کرسی کو نظر نہ آنے والی خاتون کے بائیں طرف رکھتا ہے]...... یہ میری سال گرہ کا تحفہ تھا!......

[بوڑھا اس کرسی پر بیٹھ جاتا ہے، اس طرح نہ نظر آنے والی خاتون اس جوڑے کے درمیان ہے۔ بوڑھا اپنا چہرہ اس خاتون کی طرف موڑتا ہے، مسکراتا ہے، اپنا سر ہلاتا ہے، نرمی سے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑتا ہے، بڑھیا بھی اسی طرح کرتی ہے]

بوڑھا: نہیں، مادام، زندگی اتنی ارزاں / گھٹیا کبھی نہیں ہوتی۔

بڑھیا: [خاتون کو] آپ بالکل درست (کہہ رہی) ہیں...... [خاتون بولتی ہے] جیسا کہ آپ کہہ رہی ہیں، یہ وہ وقت ہے جب سب کچھ بدل رہا ہے...... [اپنا لہجہ بدلتے ہوئے:] شاید میرا شوہر اس بارے میں کچھ کر سکتا ہے...... وہ آپ کو اس بارے میں بتائے گا۔

بوڑھا: [بڑھیا کو] اوں ہوں، سیمی رے مس، اس کے متعلق بات کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا۔

بڑھیا: [خاتون کو] معاف کیجیے مادام، آپ کا تجسس خواہ مخواہ بیدار کر دیا۔ [خاتون ردعمل دیتی ہے]۔ ڈیر مادام، اصرار مت کیجیے......

[بوڑھا اور بڑھیا مسکراتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہنستے ہیں۔ لگتا ہے کہ وہ اس کہانی سے بہت محظوظ ہوئے ہیں جو نظر نہ آنے والی خاتون نے انھیں سنائی ہے۔ ایک وقفہ، گفتگو میں ایک ثانیے کی خاموشی، ان کے چہروں سے تمام تاثرات ختم ہو جاتے ہیں]

بوڑھا: [نظر نہ آنے والی خاتون کو] جی ہاں، آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں......

بڑھیا: ہاں، ہاں، ہاں،......اوہ! یقیناً نہیں۔

بوڑھا: ہاں، ہاں، ہاں، ہرگز نہیں۔

بڑھیا: ہاں؟

بوڑھا: نہیں؟

بڑھیا: بالکل سچ ہے۔

بوڑھا: [ہنستے ہوئے]: یہ ممکن نہیں ہے۔

بڑھیا: [ہنستے ہوئے]: اوہ! اچھا۔ [بوڑھے کو] یہ کتنی حسین ہے۔

بوڑھا: [بڑھیا کو] مادام نے ایک فتح حاصل کی ہے۔

بڑھیا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] آپ آج کل کے نوجوانوں کی طرح نہیں ہیں......

بوڑھا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کی کوئی شے گر جانے پر بوڑھا جھکا ہوتا ہے اور تکلیف

میں ہوتا ہے]: مجھے کرنے دیجیے، آپ زحمت نہ کیجیے...... میں اٹھا لیتا ہوں......اوہ!......
آپ مجھ سے زیادہ پھرتیلی ہیں......[وہ دوبارہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے]

بڑھیا: [بوڑھے کو] وہ تم سے چھوٹی ہے!

بوڑھا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] بڑھاپا ایک بڑا بوجھ ہے۔ میں آپ کی دائمی جوانی کے لیے دعا ہی کرسکتا ہوں۔

بڑھیا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] وہ مخلص ہے، دل سے بات کرتا ہے۔ [بوڑھے کو] میری جان!

[کچھ دیر کے لیے خاموشی، بوڑھے اور بڑھیا کا ایک رخ دکھائی دیتا ہے۔ وہ دکھائی نہ دینے والی خاتون کی طرف دیکھتے ہیں، مہذب انداز میں مسکراتے ہیں؛ پھر وہ اپنے سر ناظرین کی طرف موڑتے ہیں، پھر دوبارہ دکھائی نہ دینے والی خاتون کی طرف دیکھتے ہیں، مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور اس کے سوالات کے جواب دیتے ہیں:]

بڑھیا: آپ کی نوازش کہ آپ نے ہم میں اتنی دلچسپی لی۔

بوڑھا: ہم ریٹائرڈ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بڑھیا: میرا شوہر مردم بیزار نہیں، بس ذرا تنہائی پسند واقع ہوا ہے۔

بوڑھا: ہمارے پاس ریڈیو ہے، میں تھوڑی بہت مچھلیاں پکڑ لیتا ہوں اور اس کے علاوہ ایک مناسب حد تک کشتی کی سروس بھی جاری ہے۔

بڑھیا: اتوار کے دنوں میں صبح کے وقت دو کشتیاں نکلتی ہیں اور ایک شام کو، اور جو سالم کشتی کراتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔

بوڑھا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو]: جب موسم صاف ہو جاتا ہے تو چاند دکھائی دیتا

ہے۔

بڑھیا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] وہ بندۂ بے دام کے طور پر اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں ہمیشہ فکرمند رہتا ہے......وہ اسے مصروف رکھتے ہیں......دوسری طرف، اس عمر میں اسے زیادہ مشکل میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

بوڑھا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو]: قبر میں میرے پاس سہولت سے کام کرنے کے لیے کافی وقت ہوگا۔

بڑھیا: [بوڑھے کو] ایسا مت کہو، میری ننھی جان......

[دکھائی نہ دینے والی خاتون کو]: ہمارا خاندان، اب بچا ہی کیا ہے، میرے شوہر کے دوست اب بھی اکثر و بیشتر ہمیں ملنے آتے ہیں، دس سال پہلے......

بوڑھا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] سردی کے موسم میں ایک اچھی کتاب ہو، کمرہ گرم کرنے کے لیے ریڈیٹر ہو اور عمر رفتہ کی یادیں ہوں،

بڑھیا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] ایک سادہ مگر بھرپور زندگی......وہ ہر روز دو گھنٹے کا وقت اپنے پیغام کی تیاری کو دیتا ہے۔

سین۔۱۰

[دروازے کی گھنٹی بجتی ہے، کچھ وقفے کے بعد ہمیں ایک کشتی کی آواز سنائی دیتی ہے۔]

بڑھیا: [بوڑھے کو] کوئی آیا ہے۔ جلدی آؤ۔

بوڑھا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] معاف کیجیے، مادام، بس چند لمحے: [بڑھیا کو] جلدی کرو اور کچھ کرسیاں اٹھا لاؤ!

[دروازے کی گھنٹی زور سے بجتی ہے۔]

بوڑھا: [پورا جھکا ہوا ہے، تیزی سے دائیں طرف دروازے نمبر۲ کی طرف جاتا ہے، جبکہ بڑھیا بائیں طرف پوشیدہ دروازے کی طرف تیزی سے اور لڑکھڑاتی ہوئی بڑھتی ہے]: لگتا ہے کوئی اہم شخص آیا ہے [وہ جلدی سے دروازہ نمبر۲ کھولتا ہے اور کرنل داخل ہوتا ہے۔ شاید ہم بگل بجنے کی آواز یا اس طرح کے جملے سنیں ''چیف کو خوش آمدید'' جب وہ دروازہ کھولتا ہے اور (دکھائی نہ دینے والے) کرنل کو دیکھتا ہے، تو بوڑھا مؤدب اور چاق وچوبند حالت میں کھڑا ہو جاتا ہے۔] آہ!......کرنل! [وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں اپنا ہاتھ ماتھے تک لے جاتا ہے، جیسے وہ اسے سیلوٹ کر رہا ہو] شام بخیر، میرے پیارے کرنل...... یہ میرے لیے بہت باعث عزت ہے......میں......میں......میں اس کی توقع نہیں کر رہا تھا......اگرچہ، بے شک......مختصر یہ کہ میں آپ کا استقبال کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ اتنا اہم ہیرو میرے غریب خانے پر تشریف لایا ہے......[وہ کرنل کا غیر مرئی ہاتھ دباتا ہے، تعظیماً جھکتا ہے اور پھر دوبارہ سیدھا ہو جاتا ہے] جھوٹی انکساری نہیں، پھر بھی میں آپ کے سامنے یہ اعتراف کروں گا کہ میں اپنے آپ کو آپ کی آمد کا حقدار سمجھتا ہوں! فخر، ہاں، نا حقدار، نہیں!......[بڑھیا ایک کرسی کے ساتھ دائیں طرف سے داخل ہوتی ہے]

بڑھیا: اوہ! کتنی شاندار یونیفارم ہے! میڈل کس قدر خوبصورت ہیں! میری جان یہ کون ہے؟

بوڑھا: [بڑھیا کو] دکھائی نہیں دیتا کہ یہ کرنل ہیں؟

بڑھیا: [بوڑھے کو]: آہ!

بوڑھا: [بڑھیا کو] ذرا اس کی پٹیاں گنو!

[کرنل کو] یہ میری شریک حیات ہیں، سیمی رے مس

[بڑھیا کو] ادھر آؤ تاکہ میں تمہیں کرنل سے متعارف کراؤں۔ [بڑھیا ایک ہاتھ سے کرسی گھسیٹتی ہے اور کرسی چھوڑے بغیر آداب بجالاتی ہے۔

[کرنل کو] میری شریک حیات۔

[بڑھیا کو] کرنل۔

بڑھیا: آپ کیسے ہیں؟ کرنل، خوش آمدید، آپ میرے شوہر کے پرانے ساتھی ہیں۔ یہ جنرل......

بوڑھا: [بوڑھا ناراض ہوتا ہے] بندۂ بے دام...... [دکھائی نہ دینے والا کرنل بڑھیا کے ہاتھ پر بوسہ لیتا ہے۔ اس کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ اس کے لبوں تک بلند کرتی ہے۔ جذبات سے مغلوب ہو کر وہ ہاتھ سے کرسی چھوڑ دیتی ہے]

بڑھیا: اوہ! کس قدر شائستہ ہے......تم دیکھ سکتے ہو کہ وہ واقعی اعلیٰ ہے۔ ایک اعلیٰ انسان!......[وہ دوبارہ کرسی پکڑ لیتی ہے۔ [کرنل کو] یہ کرسی آپ کے لیے......

بوڑھا: [دکھائی نہ دینے والے کرنل کو]: اگر آپ اس جانب چلیں تو......

[وہ سٹیج کی اگلی طرف بڑھتے ہیں، بڑھیا کرسی کھینچتی ہے]

[کرنل کو] جی ہاں، ایک مہمان پہلے ہی تشریف لا چکے ہیں۔ ہمیں بہت زیادہ لوگوں کے آنے کی توقع ہے!......

[بڑھیا کرسی دائیں جانب رکھ دیتی ہے]

سین۔۱۱

بڑھیا: [کرنل کو] براہ کرم، یہاں تشریف رکھیے۔ [بوڑھا دونوں مہمانوں کو ایک دوسرے سے متعارف کراتا ہے]

بوڑھا: ہمیں ایک نوجوان خاتون کو جاننے کا شرف حاصل ہے......

بڑھیا: ہماری بہترین دوست۔

بوڑھا: [اسی انداز میں] یہ کرنل...... مشہور فوجی۔

بڑھیا: [کرنل کو اس کرسی کی جانب اشارہ کرتی ہے جسے وہ ابھی لائی ہے] یہ کرسی لے لیں۔

بوڑھا: [بڑھیا کو] نہیں، نہیں، دیکھ نہیں رہی ہو کہ کرنل اس خاتون کے ساتھ بیٹھنا چاہ رہے ہیں!......

[کرنل بائیں جانب سے تیسری کرسی پر بیٹھ جاتا ہے...... ہم تصور کرتے ہیں کہ دکھائی نہ دینے والی خاتون دوسری کرسی پر بیٹھی ہے؛ وہ دونوں ناقابل سماعت گفتگو میں مصروف ہیں؛ بوڑھا خاتون کے بائیں طرف اور بڑھیا کرنل کے دائیں طرف]

بڑھیا: [دونوں مہمانوں کی گفتگو سنتے ہوئے] اوہ! اوہ! نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے!

بوڑھا: [اسی طرح]: شاید [بوڑھا اور بڑھیا اپنے مہمانوں کی گفتگو سن کر ان کے سروں کے اوپر سے ایک دوسرے سے اشاروں کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ان کے تاثر سے پتہ چلتا ہے کہ مہمانوں کو یہ ناگوار گزرا ہے۔ بوکھلاتے ہوئے:] جی، جی، کرنل، وہ ابھی یہاں تشریف نہیں لائے، مگر وہ جلد ہی یہاں ہوں گے۔ اور مقرر میری جگہ بات کرے گا، وہ میرے پیغام کی وضاحت کرے گا...... اپنا خیال رکھیے، کرنل، اس خاتون کے شوہر کسی وقت بھی تشریف لا سکتے ہیں۔

بڑھیا: [بوڑھے کو] یہ آدمی کون ہے؟

بوڑھا: [بڑھیا کو] بتا تو چکا ہوں، یہ وہی کرنل ہے۔

بڑھیا: [بوڑھے کو] میں جانتی ہوں۔

بوڑھا: پھر پوچھ کیوں رہی ہو؟

بڑھیا: اپنی معلومات کے لیے، کرنل، سگریٹ کے ٹکڑے فرش پر نہ ہوں!

بوڑھا: [کرنل کو] کرنل، کرنل، میرے ذہن سے نکل گیا ہے...... پچھلی جنگ ہم نے ہاری تھی یا جیتی؟

بڑھیا: [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] مگر عزیزم، ایسا مت ہونے دینا!

بوڑھا: مجھے دیکھو، مجھے دیکھو، کیا میں برا فوجی لگتا ہوں؟ ایک مرتبہ، کرنل، گولہ باری میں......

بڑھیا: یہ لمبی بات کرے گا! پریشانی ہوتی ہے! [وہ کرنل کی غیرمرئی آستین کھینچتی ہے۔] اس کی بات غور سے سنو! عزیزم، آپ اسے منع کیوں نہیں کرتے!

بوڑھا: [تیزی سے بات رکھتے ہوئے]: اور سب کچھ تن تنہا، ان میں سے ۲۰۹ کو ہلاک کیا؛ ہم انھیں یہ اس لیے کہتے تھے کہ وہ بچنے کے لیے بہت اونچی چھلانگ لگاتے تھے۔ تاہم ان کی تعداد مکھیوں سے کم تھی؛ ظاہر ہے یہ کوئی زیادہ مزیدار بات نہیں۔ کرنل، مگر میرے کردار کو داد دو، میں نے......اوہ، مجھے چاہیے تھا کہ، براہ کرم۔

بڑھیا: [کرنل کو]: میرا شوہر کبھی جھوٹ نہیں بولتا؛ یہ درست کہ ہم بوڑھے ہیں، پھر بھی ہم قابل عزت ہیں۔

بوڑھا: [متشدد انداز میں، کرنل کو]: ہیرو کو شریف النفس بھی ہونا چاہیے، اگر اسے ایک کامل

ہیرو بننا ہے!

بڑھیا: [کرنل کو] میری آپ سے کتنے برسوں سے آشنائی ہے، مگر مجھے یہ کبھی یقین نہ تھا کہ آپ میں ایسا کرنے کی صلاحیت ہے [خاتون کو، جبکہ ہم کشتیوں کی آواز سنتے ہیں:] مجھے کبھی یقین نہیں تھا کہ اس میں یہ سب کرنے کی صلاحیت ہے۔ ہماری اپنی عزت ہے، ہماری عزت نفس ہے۔

بوڑھا: [کانپتی آواز میں] میں اب بھی ہتھیار اٹھانے کے قابل ہوں [دروازے کی گھنٹی بجتی ہے] معاف کیجیے، مجھے دروازے پر جانا ہے [وہ لڑکھڑاتا ہے اور دکھائی نہ دینے والی خاتون کی کرسی سے ٹکراتا ہے] اوہ! معاف کیجیے۔

بڑھیا: [بھاگ کر آگے جاتی ہے] کوئی چوٹ تو نہیں لگی؟

[بوڑھا اور بڑھیا دکھائی نہ دینے والی خاتون کو کھڑا ہونے میں مدد کرتے ہیں] سارے کپڑے گندے ہوگئے ہیں، یہاں کچھ مٹی ہے۔ [وہ خاتون کے بالوں میں برش کرتی ہے۔ دروازے کی گھنٹی دوبارہ بجتی ہے]

سین۔۱۲

بوڑھا: معاف کیجیے، معاف کیجیے [بڑھیا کو] جاؤ۔ ایک کرسی اٹھالاؤ۔

بڑھیا: [دو دکھائی نہ دینے والے مہمانوں کو] کچھ دیر کے لیے اجازت دیں۔

[جب بوڑھا دروازہ نمبر۳ کھولنے جاتا ہے، بڑھیا کرسی کی تلاش میں دروازے نمبر۵ سے باہر نکلتی ہے اور دوبارہ دروازہ نمبر۸ سے داخل ہوتی ہے]

بوڑھا: [دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے] وہ میری بکری لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے

تقریباً غصہ آ گیا۔ [وہ دروازہ کھولتا ہے]

اوہ! مادام، آپ نے یہاں قدم رنجا فرمائے، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔ مگر پھر بھی...... مجھے کوئی آس امید نہیں تھی...... کب واقعی ایسا ہوگیا ہے......اوہ! مادام، مادام...... میں نے آپ کے بارے میں سوچا، اپنی ساری زندگی، اپنی ساری زندگی، مادام، وہ ہمیشہ آپ کو ظالم حسینہ کہتے تھے...... یہ آپ کا شوہر...... کسی نے مجھے بتایا، یقیناً...... آپ میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی......اوہ! ہاں، ہاں، آپ کی ناک ذرا لمبی ہوگئی ہے، ممکن ہے ذرا پھولی ہوئی ہو، اپنی پہلی ملاقات میں، میں نے اس پر دھیان نہیں دیا تھا، ابھی دیکھا ہے......کافی لمبی......آہ! کیسی بدقسمتی ہے! آپ نے یقیناً دانستہ ایسا نہیں کیا...... یہ کیسے ہوا؟......آہستہ آہستہ......معاف کیجیے، جناب اور پیارے دوست، آپ مجھے اجازت بخشیں گے کہ آپ کو ''پیارے دوست'' کہوں، میں آپ کی زوجہ کو آپ سے بھی پہلے جانتا ہوں...... یہ اس وقت بھی ایسی ہی تھیں، مگر ناک بالکل مختلف تھی...... جناب میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں، لگتا ہے آپ دونوں ایک دوسرے سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ [بڑھیا ایک کرسی کے ساتھ دروازہ نمبر۸ سے پھر داخل ہوتی ہے] سیمی رے مس، دو مہمان تشریف لائے ہیں، ایک اور کرسی درکار ہے...... [بڑھیا کرسی کو دیگر چار کرسیوں کے پیچھے رکھ کر دروازہ نمبر۸ سے باہر نکل جاتی ہے اور دروازہ نمبر۵ سے پھر داخل ہوتی ہے، کچھ دیر بعد ایک اور کرسی لاکر رکھ دیتی ہے۔ اس وقت تک بوڑھا اور دونوں مہمان بڑھیا کے قریب پہنچ جاتے ہیں]

ادھر سے آئیے، براہ کرم، مزید مہمانان گرامی آ چکے ہیں۔ میں آپ کو ان کا تعارف کرائے دیتا ہوں......تو پھر اب، مادام......واہ! دوشیزہ، حسینہ، یہ وہ نام ہے جس سے لوگ آپ کو پکارتے تھے......اب آپ کی کمر جھک گئی ہے......اوہ! جناب، یہ میرے لیے اب بھی دوشیزہ ہیں، اب بھی؛ چشمے کے نیچے ان کی آنکھیں اب بھی حسین ہیں؛ ان کے بال سفید

ہیں، مگر سفید بالوں کے درمیان بھورے بال بھی نظر آتے ہیں اور نیلے بھی ہیں، مجھے پورا یقین ہے کہ...... آیئے، نزدیک آیئے ...... یہ کیا ہے جناب، تحفہ، میری بیوی کے لیے؟ [بڑھیا کو، جو ابھی ابھی کرسی کے ساتھ آتی ہے؛] سیمی رے مس، یہ وہ حسینہ ہیں، تم جانتی ہو، حسینہ...... [کرنل اور ناقابل دید خاتون کو] یہ ہیں مس، معاف کیجیے مسز حسینہ، مسکرایئے مت......اوران کا شوہر...... [بڑھیا کو] بچپن کی دوست، میں نے اکثر ان کا ذکر آپ سے کیا ہے......اوران کے شوہر [کرنل اور خاتون کو] اوران کا شوہر......

بڑھیا: [شائستگی سے] یہ تعارف بہت اچھا کراتے ہیں، عمدہ طوراطوار کے مالک ہیں، شام بخیر، مادام، شام بخیر، جناب [وہ نئے جوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پہلے والے مہمانوں کو کہتی ہے:] جی ہاں، ہمارے دوست......

بوڑھا: [بڑھیا کو] وہ آپ کے لیے ایک تحفہ لائیں ہیں۔ [بڑھیا تحفہ لیتی ہے]

بڑھیا: محترم کیا یہ پھول ہے؟ یا پنگھوڑا؟ ناشپاتی کا درخت؟ یا گائے؟

بوڑھا: [بڑھیا کو] نہیں نہیں، دکھائی نہیں دے رہا کہ ایک پینٹنگ ہے؟

بڑھیا: ہائے! کتنی دلفریب ہے! آپ کا شکریہ جناب...... [دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] کیا آپ یہ دیکھنا چاہیں گی، عزیز دوست؟

بوڑھا: [دکھائی نہ دینے والے کرنل کو] کیا آپ یہ دیکھنا چاہیں گے؟

بڑھیا: [حسینہ کے شوہر کو] ڈاکٹر، ڈاکٹر، میں بے حد زود رنج ہوگئی ہوں، میں اپنے آپ کو بیمار محسوس کرتی ہوں، مجھے دردیں رہتی ہیں، میرے پاؤں بے حس ہو گئے ہیں، میری آنکھوں کو ٹھنڈ لگ گئی ہے، انگلیوں کو ٹھنڈ لگ گئی ہے، مجھے جگر کا عارضہ لاحق ہے، ڈاکٹر، ڈاکٹر!......

بوڑھا: [بڑھیا کو] یہ صاحب ڈاکٹر نہیں ہیں، تصاویر کے نقش گر ہیں۔

بڑھیا: [پہلی دکھائی نہ دینے والی خاتون کو] اگر آپ اسے دیکھ چکی ہوں تو اسے لٹکا دیجیے [بوڑھے کو] اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ پھر بھی دلکش ہے، میرے تو اوسان خطا کر رہے ہیں۔ [نقش گر کو] میں چرب زبانی نہیں کر رہی......

[بوڑھا اور بڑھیا اب کرسیوں کے پیچھے کی طرف بڑھتے ہیں، ایک دوسرے کے قریب ہیں، ایک دوسرے کو تقریباً چھو رہے ہیں، مگر ایک دوسرے کی پشت پر ہیں؛ وہ باتیں کرتے ہیں: بوڑھا حسینہ سے اور بڑھیا نقش گر سے؛ وقتاً فوقتاً جواب دیتے ہیں، اس کا اندازہ ان کے سر مڑنے سے ہوتا ہے، اور پہلے دو مہمانوں میں سے کسی نہ کسی سے مخاطب ہوتے ہیں:]

سین۔۱۳

بوڑھا: [حسینہ کو] میں بہت دکھی ہوں...... آپ اب تک ویسی ہی ہیں، حالانکہ کیا کچھ نہیں ہو گیا...... میں آپ سے سو برس قبل بھی محبت کرتا تھا...... مگر کیسی تبدیلی آ گئی ہے...... نہیں، آپ میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی...... مجھے آپ سے محبت تھی، محبت ہے............

بڑھیا: [نقش گر کو] اوہ! سر، سر، سر،............

بوڑھا: [کرنل کو] اس نقطے پر میں آپ سے صد فی صد متفق ہوں۔

بڑھیا: [نقش گر] اوہ! یقیناً، سر، سر، یقیناً، سر، یقیناً،............

[پہلی خاتون کو] اسے لٹکانے کے لیے شکریہ...... زحمت کے لیے معذرت۔

[روشنی بڑھتی جاتی ہے، اسے مسلسل بڑھتے رہنا چاہیے، کیوں کہ دکھائی نہ دینے والے مہمان مسلسل آ رہے ہیں۔]

بوڑھا: [حسینہ کو، روہانسی آواز میں] سال گذشتہ کی برف کدھر ہے؟

بڑھیا: [نقش گر کو] اوہ! سر.......اوہ.......سر.......

بوڑھا: [حسینہ کو، پہلی خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے] وہ میری نوجوان دوست ہے.......بہت پیاری ہے.......

بڑھیا: [نقش گر کو، کرنل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے] ہاں، وہ سٹاف کرنل ہے.......میرے شوہر کا ساتھی.......ماتحت، میرا شوہر جنرل.......ہے۔

بوڑھا: [حسینہ کو] تمہارے کان پہلے تو اتنے نوکیلے نہیں تھے!.............میری حسینہ، کیا تمہیں یاد ہے؟

بڑھیا: [نقش گر کو، احمقانہ طریقے سے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے؛ اس سین میں اس کا یہ انداز بڑھتا رہتا ہے؛ وہ اسے اپنی تیز سرخ جرابیں دکھاتی ہے، اپنا زیر جامہ اوپر کو اٹھاتی ہے، اپنی شمیض دکھاتی ہے جس میں بہت سے سوراخ ہیں، اپنی بوڑھی چھاتیاں ظاہر کرتی ہے، بہت سی حرکات کرتی ہے جن میں جنسی اشارے ہیں، اس کا یہ طرز عمل گذشتہ اور آنے والے وقت سے یکسر جدا ہے اور اس سے اس کی پوشیدہ شخصیت کا اظہار ہوتا ہے، اپنی حرکات اچانک ختم کرتی ہے]؛ تو تمہارا خیال ہے کہ میں اس کے لیے بہت بوڑھی ہو چکی ہوں، واقعی؟

بوڑھا: [حسینہ کو، رومانوی انداز میں] ہماری نوجوانی کے دنوں میں چاند ایک زندہ ستارہ تھا، آہ! ہاں، ہاں، اگر ہم نے ذراسی جرأت کی ہوتی، مگر ہم تو بچے تھے، کیا تم عمر رفتہ کو آواز نہیں دینا چاہو گی.......کیا یہ اب بھی ممکن ہے؟ کیا اب بھی یہ ممکن ہے؟ آہ! نہیں، نہیں، نہیں، اب کسی صورت ممکن نہیں، وہ دن تو ریل گاڑی کی طرح تیزی سے بھاگ گئے، وقت کے

پہیوں نے اپنے نشانات ہماری جلد پر چھوڑ دیے ہیں۔ کیا تم یقین رکھتی ہو کہ سرجن معجزے کر سکتے ہیں؟

[کرنل کو] میں فوجی ہوں اور آپ بھی، ہم فوجی لوگ ہمیشہ جوان رہتے ہیں، جنرل خداؤں کی مانند ہوتے ہیں.......[حسینہ کو] اس طرح ہونا چاہیے تھا.......افسوس! افسوس! ہم ہر شے کھو چکے۔ ہم اتنے خوش رہ سکتے تھے، مجھے اس کا پورا یقین ہے، ہم رہ سکتے تھے، ہم رہ سکتے تھے؛ شاید برف کے نیچے پھول پھر سے کھل رہے ہیں!.............

بڑھیا: [نقش گر کو] خوشامدی! جھوٹے! بدمعاش! آہ! آہ! میں اپنی عمر سے چھوٹی دکھائی دیتی ہوں؟ تم ننھے وحشی! جذبات انگیز!

بوڑھا: [حسینہ کو] کیا تم میری Isolde بنو گی اور مجھے اپنا Tristan بننے دو گی؟ حسن صرف جلد میں نہیں ہوتا، یہ دل میں ہوتا ہے.............میرا مطلب سمجھ رہی ہو نا؟ ہم زندگی میں خوشیاں، حسن، ابدیت سمیٹ سکتے تھے.............ہم نے جرات کیوں نہیں کی؟ ہمارے پاس حوصلے کی کمی تھی.............سب کچھ برباد ہو گیا، برباد، برباد،.............

بڑھیا: [نقش گر کو] اوہ نہیں، اوہ! نہیں، اوہ! تم نے میرے اندر ہیجان پیدا کیا ہے۔ ہاتھ پھیرتے اور پھرواتے ہو؟ مجھے خجالت ہو رہی ہے.......[وہ ہنستی ہے] کیا تمہیں میرا زیر جامہ پسند ہے؟ یا تمہیں میری سکرٹ زیادہ پسند ہے؟

بوڑھا: [حسینہ کو] ایک بندۂ بے دام کی بھی کوئی زندگی نہیں!

بڑھیا: [اپنا سر پہلی دکھائی نہ دینے والی خاتون کی طرف موڑتے ہوئے]: چینی کریب بنانے کے لیے؟ گائے کے گوشت کا ٹکڑا، آٹے کے ساتھ ایک گھنٹہ، گیس پیدا کرنے والی چینی [نقش گر کو] انگلیاں بڑی ہوشیاری سے استعمال کر رہے ہو، آہ!

بوڑھا: [حسینہ کو] میری شریک حیات سیمی رے مس نے میری ماں کی جگہ لے لی ہے۔[کرنل کی طرف رخ کرنا ہے] کرنل جیسا کہ میں پہلے بھی اپنے خیالات کا آپ پر اظہار کر چکا ہوں کہ انسان جونہی سچائی کو پائے اسے اختیار کر لے۔[وہ واپس حسینہ کی طرف رخ پھیر لینا ہے]

بڑھیا: [نقش گر کو] تو کیا تم واقعی، واقعی میں اس طرح سوچتے ہو کہ انسان کے کبھی بھی بچے (پیدا) ہوسکتے ہیں؟ کسی بھی عمر کے میں بچے؟

بوڑھا: [حسینہ کو] بس یہ واحد شے ہے جس نے مجھے (مایوسی سے) بچائے رکھا ہے: داخلی زندگی، ذہنی سکون، سادگی، میری سائنسی تحقیقات، فلسفہ، میرا پیغام......

بڑھیا: [نقش گر کو] میں نے اپنے شوہر سے کبھی بے وفائی نہیں کی، جنرل............ اتنا سخت نہیں ہے، تم مجھے کمزور کر رہے ہو............ میں اس کی بے چاری ماں ہوں! [وہ سسکیاں بھرتی ہے] ایک عظیم، عظیم، [وہ اسے پیچھے دھکیلتی ہے] عظیم...... ماں۔ ضمیر کی ملامت کی وجہ سے میرے آنسو نکل رہے ہیں۔ سیب کے درخت کی شاخ میرے لیے ٹوٹی ہوئی ہے۔

بوڑھا: [حسینہ کو] All He preoccupations of a Superior order............

[بوڑھا اور بڑھیا، حسینہ اور نقش گر دیگر دو دکھائی نہ دینے والے مہمانوں کے ہمراہ نشستوں پر بٹھا دیتے ہیں]

بوڑھا اور بڑھیا: [نقش گر اور حسینہ کو] بیٹھ جائیے، براہ کرم، تشریف رکھیے۔

[بوڑھا اور بڑھیا بھی بیٹھ جاتے ہیں، بوڑھا بائیں طرف اور بڑھیا دائیں طرف، اور ان کے بیچ چار خالی کرسیاں پڑی ہوتی ہیں، خاموشی کا ایک لمبا دورانیہ، جسے صرف وقفوں وقفوں

سے ''نہیں''، ''ہاں'' ہاں'' کے الفاظ توڑتے ہیں۔ بوڑھا اور بڑھیا دکھائی نہ دینے والے مہمانوں کی گفتگو سے محظوظ ہوتے ہیں۔]

بڑھیا: [نقش گر کو] ہمارا ایک بیٹا تھا...... یقیناً وہ اب بھی حیات ہے............ وہ کہیں دور چلا گیا ہے............ ایک عام کہانی ہے............ یا بلکہ معمول کی بات ہے............ اس نے اپنے والدین کو چھوڑ دیا............ سونے کا دل تھا اس کا...... بہت پرانی بات ہے...... ہمیں اس سے بے حد پیار تھا...... اس نے زور سے دروازہ بند کیا...... ہم دونوں نے اسے پوری قوت سے پکڑ کر لانے کی کوشش کی............ وہ سات برس کا تھا، عقل وفہم کی عمر، میں اس کے پیچھے پکارتی بھاگی ''میرے بیٹے، میرے بچے، میرے بیٹے، میرے بچے''...... اس نے مڑ کر دیکھا تک نہیں............

بوڑھا: [حیف، نہیں...... نہیں...... ہمارا کوئی بیٹا نہیں تھا...... مجھے خواہش ضرور تھی، سیمی رے مس کو بھی تھی، ہم نے ہر حربہ آزمایا...... اور میری پیاری سیمی رے مس، میں تو ممتا بہت ہے............ اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں خود بھی نافرمان بیٹا تھا............ آہ!...... دکھ، پچھتاوا، ندامت، ہمارے پاس یہی کچھ ہے............ اب ہمارے پاس یہی بچا ہے............

بڑھیا: اس نے مجھ سے کہا: ''آپ پرندوں کو مار ڈالتی ہیں! آپ پرندوں کو کیوں مارتی ہیں؟'' ...... مگر ہم پرندوں کو نہیں مارتے............ ہم نے تو کبھی مکھی تک کو نقصان نہیں پہنچایا............

اس کی آنکھوں میں بڑے بڑے آنسو بھر آئے۔ اس نے ہمیں آنسو پونچھنے تک نہ دیے۔ اس نے مجھے اپنے پاس نہ آنے دیا۔ اس نے کہا: ''آپ ہی نے تمام پرندے مار ڈالے،

تمام پرندے‘‘......اس نے ہمیں اپنے چھوٹے چھوٹے مکے دکھائے......’’آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ لوگوں نے مجھے دھوکا دیا ہے! گلیاں مرے پرندوں سے، مرنے والے پرندوں کے بچوں سے اٹی پڑھی ہیں۔‘‘ یہ پرندوں کا گیت ہے! ......’’نہیں، یہ موت کی خرخراہٹ ہے، آسمان خون میں نہلا گیا ہے۔‘‘......نہیں میرے بچے، یہ نیلا ہے، وہ دوبارہ چلاّیا:’’آپ لوگوں نے مجھے دھوکا دیا ہے، میں نے آپ کی تعظیم کی، میرا اس پہ یقین تھا کہ آپ اچھے ہیں......گلیاں مردہ پرندوں سے اٹی پڑی ہیں، آپ لوگوں نے ان کی آنکھیں نوچ لیں...... پاپا، ماما، آپ لوگ بدعمل ہیں!......اب میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔‘‘......میں اس کے پاؤں پڑگئی......اس کا باپ رو رہا تھا۔ہم اسے نہیں روک پائے۔ جب وہ جارہا تھا تو ہم اسے یہ کہتے ہوئے سن رہے تھے:’’آپ ہی اس کے ذمہ دار ہیں‘‘......اس ذمہ دار کے کیا معنی ہوئے؟

بوڑھا: میں نے اپنی ماں کو ایک کھائی میں تنہا مرنے دیا۔وہ میرے پیچھے نحیف آواز میں کہہ رہی:’’میرے بچے، میرے پیارے بیٹے، مجھے مرنے کے لیے تنہا چھوڑ کر نہ جاؤ......میرے ساتھ ٹھہرو۔میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔‘‘ ماما، آپ پریشان مت ہوں، میں نے انھیں کہا، میں ذراسی دیر میں واپس آیا......میں جلدی میں تھا......میں ناچ کلب جارہا تھا۔مگر جب میں پلٹا تو وہ مرچکی تھی اور انھوں نے اسے گہرائی میں دفن کردیا تھا......میں نے قبر پھاڑی، اسے ڈھونڈا......نہ مل سکی...... مجھے معلوم ہے، میں جانتا ہوں کہ بیٹے ہمیشہ اپنی ماؤں کو چھوڑ دیتے ہیں......اور اپنے باپوں کو تو قریباً مار ہی ڈالتے ہیں......زندگی بس ایسے ہی ہے......مگر میں، میں نے اسے بھگتا ہے......اور دوسروں نے......نہیں......

بڑھیا: اس نے روتے ہوئے کہا:’’پاپا، ماما، میں اب دوبارہ آپ کی شکل تک نہ دیکھوں گا۔‘‘

بوڑھا: میں نے اسے بھگتا ہے، ہاں، دوسروں نے نہیں......

بڑھیا: اس کے بارے میں میرے شوہر سے بات نہ کیجیے، اسے اپنے والدین سے بے حد پیارا تھا، وہ ان سے ایک لمحے کے لیے بھی جدا نہیں ہوا، اس نے ان کی دیکھ بھال کی، ان کی نازبرداری کی......اور انھوں نے یہ کہتے ہوئے اس کے بازوؤں میں دم دیا:’’تم ایک کامل بیٹے ہو۔خدا تم پر مہربان ہوگا۔‘‘

بوڑھا: میری آنکھوں کے سامنے اب بھی یہ منظر ہے کہ وہ گھاٹی میں پڑی ہے، اس کے ہاتھ میں وادی کا سوسن کا پھول تھا، اس نے چلاّتے ہوئے کہا:’’مجھے مت بھلانا، مجھے مت بھلانا۔‘‘......اس کی آنکھیں موٹے موٹے آنسوؤں سے بھری ہوئی ہیں اور اس نے مجھے میرے بچپن کے نام سے پکارا:’’ننھے چوزے‘‘ اس نے کہا’’ننھے چوزے، یہاں مجھے تنہا مت چھوڑو۔‘‘

بڑھیا: [نقش گر کو] اس نے ہمیں کبھی خط پتر نہیں لکھا، کبھی کبھار ہمیں کسی دوست سے اطلاع ملتی کہ وہاں یہاں دیکھا گیا ہے، وہاں دیکھا گیا ہے، کہ وہ ہر لحاظ سے خوش ہے، کہ وہ اچھا شوہر ہے......

بوڑھا: [حسینہ کو] جب میں واپس آیا تو بہت دیر پہلے اسے دفنایا جاچکا تھا [پہلی دکھائی نہ دینے والی خاتون کو]: وہ، ہاں، جی ہاں، مادام، ہمارے گھر میں فلم تھیٹر، ریستوران، غسل خانے......ہیں۔

بڑھیا: [کرنل کو] جی ہاں، کرنل، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ......

بوڑھا: بنیادی طور پر یہ بات ہے۔

[بے ترتیب اور مہمل گفتگو میں پھنستے جاتے ہیں]

بڑھیا: اگر صرف!

بوڑھا: لہٰذا، میں نے نہیں، میں، یہ............یقیناً............

بڑھیا: (بے ربط مکالمہ] مختارِ کل

بوڑھا: ہمارا اور ان کا

بڑھیا: تاکہ

بوڑھا: مجھ سے اسے

بڑھیا: اس آدمی کو یا اس عورت کو؟

بوڑھا: انھیں

بڑھیا: مڑے ہوئے کاغذ............آخر کار۔

بوڑھا: ایسا نہیں ہے۔

بڑھیا: کیوں؟

بوڑھا: ہاں

بڑھیا: میں

بوڑھا: مختارِ کل

بڑھیا: مختارِ کل

بوڑھا: [پہلی غیر مرئی خاتون کو] وہ کیا تھا، مادام؟ [ایک لمبا وقفہ، بوڑھا اور بڑھیا اپنی کرسیوں پر بے حس و حرکت رہتے ہیں۔ پھر دروازے کی گھنٹی بجتی ہے]

سین ۔ ۱۵

بوڑھا: [ذہنی دباؤ بڑھتا ہے] کوئی آیا ہے۔ لوگ، مزید لوگ۔

بڑھیا: میرا خیال ہے مجھے کشتیوں کی آواز آئی ہے۔

بوڑھا: میں دروازے پر جاتا ہوں۔ جاؤ چند کرسیاں لے آؤ، معاف کیجیے، حضرات، خواتین [وہ دروازے نمبر ۷ پر جاتا ہے]

بڑھیا: [غیر مرئی مہمانوں کو جو پہلے ہی آ چکے ہیں] براہ کرم، تھوڑی دیر کے لیے اٹھیے، مقرر جلد ہی یہاں ہوگا۔ ہمیں اجلاس کے لیے کمرہ ترتیب دینا ہے۔ [بڑھیا کرسیوں کو ترتیب دیتی ہے، کرسیوں کا رخ ناظرین کی طرف پھیر دیتی ہے] پلیز میری مدد کریں۔ شکریہ۔

[بوڑھا: دروازہ نمبر ۷ کھولتے ہوئے] شام بخیر، خواتین و حضرات، شام بخیر، براہ کرم تشریف لائیے۔

[جو تین یا چار دکھائی نہ دینے والے مہمان آئے ہیں، وہ دراز قد ہیں اور بوڑھے کو ان سے مصافحہ کرنے کے لیے اپنی ایڑھیوں پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ کرسیاں رکھنے کے بعد بوڑھے کے پاس جاتی ہے]

بوڑھا: [تعارف کراتے ہوئے]: میری بیوی......مسٹر......مسز......میری بیوی......مسٹر......مسز......میری بیوی......

بڑھیا: ڈارلنگ، یہ تمام لوگ کون ہیں؟

بوڑھا: [بڑھیا کو] ڈیئر، کچھ کرسیاں تو ڈھونڈ کے لاؤ۔

بڑھیا: اب ہر کام تو میں نہیں کرسکتی!......[وہ بڑبڑاتے ہوئے دروازہ نمبر ۶ سے باہر نکلتی ہے اور دروازہ نمبر ۷ سے پھر داخل ہوتی ہے، بوڑھا، نو وارد مہمانوں کے ہمراہ سٹیج کے اگلے حصے

میں آجاتا ہے]

بوڑھا: دیکھیں، آپ کا مووی کیمرہ نہ گر جائے[مزید تعارف] یہ کرنل ہیں...... خاتون......مسز......نقش گر...... یہ صحافی حضرات ہیں، یہ بھی مقرر کو سننے آئے ہیں، جسے کچھ دیر بعد یہاں ہونا چاہیے...... بے تاب مت ہوں......آپ بور نہیں ہوں گے......اب ہم تمام اکٹھے ہیں...... [بڑھیا دو کرسیوں کے ساتھ دروازے نمبر ۷ سے داخل ہوتی ہے]
یہاں آجاؤ، تیزی سے کرسیاں لاؤ......ابھی بھی ایک کرسی کم ہے۔

[بڑھیا بڑبڑاتے ہوئے ایک اور کرسی ڈھونڈنے جاتی ہے، دروازے نمبر ۳ سے باہر نکلتی ہے اور دروازے نمبر ۸ سے پھر داخل ہوتی ہے۔]

بڑھیا: اچھا بھئی، اور......میں اتنا ہی کر رہی ہوں جتنا میں کر سکتی ہوں......میں مشین تھوڑی ہوں......ہے نا...... یہ تمام لوگ کون ہیں؟ [وہ باہر نکل جاتی ہے......]

بوڑھا: تشریف رکھیے، تشریف رکھیے، خواتین خواتین کے ساتھ اور مرد مردوں کے ساتھ، یا اس کے الٹ، اگر آپ ایسا پسند کریں...... ہمارے پاس مزید اچھی کرسیاں نہیں ہیں...... ہمیں انہی سے گزارہ کرنا پڑے گا...... اس کے لیے معذرت...... یہ درمیان سے اٹھا لیں......کیا کسی کو فاؤنٹین پین کی ضرورت ہے؟ میرے پاس ریڈیو نہیں ہے......تمام اخبارات لیتا ہوں......اس کا انحصار کئی چیزوں پر ہے؛ ان عمارات کا انتظام میرے پاس ہے، مگر مجھے کسی قسم کی کوئی مدد نہیں ملتی......ہمیں کفایت شعاری سے کام لینا ہوگا......اس وقت کوئی انٹرویو نہیں...... بعد میں دیکھ لیں گے......جلد ہی آپ کو بیٹھنے کی جگہ مل جائے گی......وہ کر کیا رہی ہے؟ [بڑھیا کرسی سمیت دروازے پر ۸ سے داخل ہوتی ہے] سیمی رے مس، ذرا جلدی کرو......

بڑھیا: میں تو اپنی پوری جان لگا رہی ہوں...... یہ تمام کون لوگ ہیں؟

بوڑھا: میں ان کے بارے میں تمہیں بعد میں بتاتا ہوں۔

بڑھیا: اور وہ عورت؟ وہ عورت کون ہے، جانوں؟

بوڑھا: چکر میں مت پڑو...... [کرنل کو] کرنل، جرنلزم بھی ایک ایسا ہی شعبہ ہے۔ جیسے ایک لڑتا ہوا آدمی...... [بڑھیا کو] ذرا ان خواتین کا خیال رکھو......

[دروازے کی گھنٹی بجتی ہے۔ بوڑھا تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا ہے] بس آیا......
[بڑھیا کو] کرسیاں لاؤ۔

بڑھیا: خواتین وحضرات، معاف کیجیے......[وہ دروازہ نمبر ۳ سے باہر نکل کر دروازہ نمبر ۲ سے پھر آتی ہے...... بوڑھا پوشیدہ دروازہ نمبر ۹ کھولنے جاتا ہے اور اس وقت غائب ہو جاتا ہے جب بڑھیا دروازہ نمبر ۲ سے داخل ہوتی ہے]

سین۔۱۶

بوڑھا: [نظروں سے اوجھل] آئیے آئیے......تشریف لائیے......[وہ پھر آتا ہے اور اس کے ساتھ کافی غیر مرئی لوگ ہوتے ہیں، ان میں ایک بہت چھوٹا بچہ بھی ہوتا ہے جس کا وہ ہاتھ پکڑے ہوتا ہے] ایک سائنسی نوعیت کے لیکچر میں چھوٹے بچوں کو نہیں لانا چاہیے...... بیچارہ چھوٹا بچہ اب بور ہوگا......اگر اس نے چلّانا شروع کر دیا یا خواتین کے لباس پر پشی کر دی تو دلچسپ صورت حال پیدا ہو جائے گی! [وہ انہیں سٹیج کے درمیان میں لے کر آتا؛ بڑھیا دو کرسیاں لاتی ہے]
میں آپ کو اپنی اہلیہ، سیمی رے مس، سے متعارف کرانا چاہتا ہوں؛ اور یہ ان کے بچے ہیں۔

بڑھیا: خواتین وحضرات......اوہ! کیا وہ پیارے نہیں ہیں!

بوڑھا: وہ سب سے چھوٹا ہے۔

بڑھیا: ارے، وہ اتنا پیارا ہے، اتنا پیارا ہے......اتنا پیارا۔

بوڑھا: کرسیاں کم ہیں۔

بڑھیا: اوہ، ڈیئر، اوہ ڈیئر، اوہ ڈیئر............

[وہ دروازہ نمبر۲ استعمال کرتے ہوئے کرسیوں کی تلاش میں باہر نکلتی ہے اور دائیں طرف سے دروازہ نمبر۳ سے دوبارہ داخل ہوتی ہے]

بوڑھا: چھوٹے لڑکے کو گود میں بٹھالیں...... یہ جڑواں تو ایک ہی کرسی پر بیٹھ سکتے ہیں۔ ذرا محتاط رہیں۔ یہ بہت مضبوط نہیں ہیں...... یہ مکان کے ساتھ ملی تھیں، یہ مالک مکان کی ہیں۔ ہاں، میرے بچو، وہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کرے گا۔ وہ برا آدمی ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ یہ کرسیاں ہم اس سے خرید لیں، بے کار کرسیاں [بڑھیا بہت پھرتی سے ایک کرسی کے ساتھ واپس آتی ہے] آپ تمام ایک دوسرے سے ناواقف ہیں......آپ پہلی مرتبہ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں...... آپ ایک دوسرے کے نام سے تو واقف تھے...... [بڑھیا کو] سیمی رے مس، تعارف کرانے میں ذرا میری مدد کرو............

بڑھیا: یہ تمام لوگ کون ہیں؟............معاف کیجیے، کیا میں آپ لوگوں کو ایک دوسرے سے متعارف کرادوں؟......تعارف کرادوں......مگر یہ ہیں کون؟

بوڑھا: کیا میں آپ کا تعارف کرادوں...... مجھے آپ لوگوں کا تعارف کرانے دیجیے...... مجھے آپ کا تعارف کرانے کی اجازت دیں...... مسٹر، مسز، مس...... مسٹر...... مسز......مسز......مسٹر۔

بڑھیا: [بوڑھے کو] کیا تم نے اپنا سویٹر پہن لیا؟ [دکھائی نہ دینے والے مہمانوں کو] مسٹر، مسز، مسٹر...... [دروازے کی گھنٹی دوبارہ بجتی ہے]

بوڑھا: مزید لوگ!

[گھنٹی بجنے کی دوبارہ آواز]

بڑھیا: مزید لوگ!

سین۔۱۷

[گھنٹی بار بار بجتی رہتی ہے...... کرسیوں کا رخ ڈائس کی طرف اور ناظرین کی طرف ان کی پشت ہے کرسیاں ترتیب سے لگا دی گئی ہیں اور جیسا کہ تھیٹر میں ہوتا ہے ہر قطار میں پہلے سے اونچی کرسیاں ہیں، بوڑھے کو ہوا کے تھپیڑے لگ رہے ہیں اور وہ ایک دروازے سے دوسرے دروازے کی طرف جاتا ہے اور غیر مرئی لوگوں کے لیے کرسیاں تلاش کر کے انھیں ان پر بٹھاتا ہے۔ سٹیج پر اس وقت بہت سے غیر مرئی لوگ ہیں اور بوڑھا اور بڑھیا اپنی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ دھما چوکڑی نہ مچے، اور بڑی ہی احتیاط سے کرسیوں کی قطار میں لوگوں کو لاتے ہیں۔ وہ تمام دروازوں سے آتے اور جاتے رہتے ہیں]

بڑھیا: معذرت خواہ ہوں...... معاف کیجیے...... کیا...... اوہ...... معذرت خواہ ہوں...... معاف کیجیے......

بوڑھا: حضرات......تشریف لائیے......خواتین......آئیے...... یہ ہیں مسٹر...... مجھے...... ہاں......

بڑھیا: [مزید کرسیوں کے ساتھ] اوہ ڈیئر......اوہ ڈیئر...... یہ تو بہت زیادہ ہیں......بہت

زیادہ، اوہ ڈیئر، اوہ ڈیئر، اوہ ڈیئر......

[ہم باہر سے کشتیوں کی آوازیں سنتے ہیں۔ جن کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جارہی ہے، گویا قریب تر آتی جارہی ہے۔ بوڑھا اور بڑھیا کرسیاں لاتے رہتے ہیں وار دروازے کی گھنٹی بجتی رہتی ہے]

بوڑھا: یہ میز ہمارے راستے میں ہے [دونوں مل کر میز وہاں سے ہٹاتے ہیں] اب تو جگہ باقی نہیں رہی، معاف کیجیے......

بڑھیا: تم نے سویٹر پہن رکھا ہے؟

[دروازے کی گھنٹی بجتی ہے]

بوڑھا: مزید لوگ! مزید کرسیاں! مزید لوگ! مزید کرسیاں! آئیے، آئیے، خواتین و حضرات...... معذرت خواہ ہوں...... مسز......مسز......مسٹر......مسٹر...... ہاں، ہاں، کرسیاں......

[دروازے کی گھنٹی اور کشتیوں کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی رہتی ہے۔ بوڑھا گرتے پڑتے کرسیاں ٹھیک کرتا ہے]

بوڑھا: ہاں ٹھیک ہے......کیا تم نے اپنا سویٹر پہنا ہوا ہے؟ ہاں، ہاں......فوراً، ذرا صبر، ہاں، ہاں......صبر......

بڑھیا: تمہارا سویٹر؟ میرا سویٹر؟............معذرت خواہ ہوں، معذرت خواہ ہوں۔

بوڑھا: اس طرف، خواتین و حضرات، آپ سے گذارش ہے کہ...... معذرت...... گزارش......اندر آیئے، اندر آیئے......دکھانے والا ہوں...... یہاں، ان نشستوں پر...... پیارے دوست......وہاں نہیں......اپنا خیال رکھیے......آپ، میرے دوست؟

[کافی دیر خاموشی رہتی ہے۔ ہم لہروں کشتیوں اور گھنٹی کی آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ درمیان میں مرکزی دروازے کے سوا تمام دروازے تیزی سے کھلتے اور بجتے رہتے ہیں۔ بوڑھا اور بڑھیا ایک دوسرے کو کچھ کہے بغیر دروازوں سے آتے جاتے ہیں۔ بوڑھا مہمانوں کا استقبال کرتا ہے مگر پہلے کی طرح ان کے ساتھ دور تک نہیں آتا بلکہ کھڑے کھڑے کرسی کی نشان دہی کر دیتا ہے کیوں کہ اس کے پاس وقت کم ہے، بڑھیا کرسیاں لاتی رہتی ہے، بوڑھا اور بڑھیا آتے جاتے کبھی کبھی ٹکرا جاتے ہیں۔ مگر اس سے ان کے کام اور رفتار میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر بوڑھا سٹیج کے سامنے والے حصے میں آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہیں سے بازو کے اشارے سے جگہ کی نشان دہی کرتا ہے۔ بالآخر بڑھیا رک جاتی ہے لیکن تاثر یہی دیتی ہے کہ جیسے ابھی پہلے کی طرح حرکت میں ہے۔ آہستہ آہستہ آوازوں اور حرکات میں کمی دیکھنے میں آتی ہے۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی رفتار میں بھی کمی ہو جاتی ہے اور بوڑھے اور بڑھیا کی حرکات وسکنات میں بھی کافی کمی واقع ہوتی ہے۔ جس وقت دروازے کھلنا اور بند ہونا رک جاتے ہیں اور گھنٹی کی آواز بھی سنائی دیتی، تو ہمارے اندر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ سٹیج لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے]

سین۔۱۸

بوڑھا: میں آپ کے لیے جگہ تلاش کرتا ہوں......تحمل......

سیمی رے مس، ....کی محبت میں

بڑھیا: [خالی ہاتھ]: ڈارلنگ، کرسیاں بالکل نہیں ہیں، [پھر اچانک سے، وہ بھرے ہوئے ہال میں پروگرام فروخت کرنا شروع کر دیتی ہے، دروازے بند ہیں۔] پروگرام، اپنے

پروگرام کے بارے میں پتہ کریں، شام کا پروگرام، اپنا پروگرام خریدیں!

بوڑھا: بے صبرے مت ہوں، خواتین وحضرات! ہم آپ کا خیال رکھنے کے لیے ہیں...... سب کو باری باری ملے گا، آپ کی آمد کی ترتیب کے لحاظ سے...... آپ کو نشست ملے گی۔ میں آپ کا خیال رکھوں گا۔

بڑھیا: اپنا پروگرام خریدیں! میڈم تھوڑا سا انتظار کریں، میں ایک ہی وقت میں سب کا خیال کیسے رکھوں، میرے تینتیس ہاتھ نہیں ہیں، میں گائے نہیں ہوں...... مسٹر، براہ کرم کیا آپ یہ پروگرام اپنے ساتھ بیٹھی خاتون کو دے دیں گے، مہربانی ...... اوہ کھلے، پیسے، کھلے پیسے............

بوڑھا: میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں آپ کے لیے جگہ تلاش کرلوں گا! زیادہ بے چین مت ہوں! یہیں پر ہے، یہ یہیں پر ہے، وہاں، ذرا خیال رکھیں، عزیز دوست............ عزیز دوستو............

بڑھیا: یہ پروگرام............ اپنا پروگرام حاصل کریں............ گرام............

بوڑھا: ہاں، بھائی، وہ وہاں ہیں، مزید نیچے، وہ پروگرام بیچ رہی ہیں...... کاروبار کوئی بھی برا نہیں ہوتا............ اس کا یہ ہے............ کیا وہ ملیں آپ کو؟............ آپ کی نشست دوسری قطار میں ہے............ دائیں طرف...... نہیں، بائیں طرف...... ہاں یہ!......

بڑھیا: گرام...... گرام...... پروگرام...... اپنا پروگرام حاصل کریں............

بوڑھا: آپ کی مجھ سے کیا توقعات ہیں؟ میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں! [بیٹھے ہوئے غیر مرئی افراد کو]: ذرا ذرا آگے ہوں، اگر آپ ذرا آگے کو ہوں...... تھوڑی سی جگہ نکل آئے گی، جس سے آپ کا گزارہ ہو جائے گا، ہیں نا، مسز...... یہاں آیئے، اب بالکل کوئی جگہ

نہیں ہے......

بڑھیا: [جواب بوڑھے کے مخالف سمت میں ہے، دروازے نمبر ۳ اور گھڑی کے درمیان] اپنا پروگرام حاصل کریں............ پروگرام کسے چاہیے؟ چنا چاٹ...... فروٹ ٹافی...... [لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے بڑھیا ہلنے جلنے کے قابل نہیں رہتی، وہ پروگرام اور ٹافیاں اردگرد غیر مرئی لوگوں کے سروں کے اوپر اچھال دیتی ہے] یہ ہیں وہ! یہ رہے!

بوڑھا: [پرجوش انداز میں ڈائس پر کھڑا ہے، ڈائس سے اترتا ہے، لڑکھڑاتا ہے، پھر چڑھتا ہے، کسی سے ٹکراتا ہے، کسی کی کہنی لگتی ہے تو کہتا ہے [معاف کیجیے...... ہم معذرت خواہ ہیں...... اپنا خیال رکھیں...... لوگوں کا دھکا لگتا ہے اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے]

بڑھیا: یہ اتنے سارے لوگ کیوں جمع ہیں؟ پروگرام، اپنے پروگرام یہاں سے لیں، اسکیمو پائی (Eskimo pies) لیں۔

بوڑھا: خواتین، نوجوان خواتین، حضرات، ذرا دیر کے لیے خاموشی، آپ سے درخواست ہے...... خاموشی...... یہ انتہائی اہم ہے...... جن لوگوں کو کوئی نشست نہیں ملی ان سے گذارش ہے کہ راہداریوں میں مت کھڑے ہوں...... یہ ہوئی نا بات...... کرسیوں کے درمیان کھڑے مت ہوں۔

بڑھیا: [بوڑھے کو قریباً چلاتے ہوئے] پیارے، یہ کون لوگ ہیں؟ یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟

بوڑھا: خواتین وحضرات، راہداریاں چھوڑ دیں۔ جنھیں نشست نہیں مل پائی ان سے گذارش ہے کہ سب کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے دائیں یا بائیں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جائیں...... یہاں سے آپ کو ہر بات سنائی دے گی، ہر چیز دکھائی دے گی،

پریشان مت ہوں، آپ سے کچھ بھی نہیں چھوٹے گا، تمام نشستیں ایک جیسی عمدہ ہیں!

[غل غپاڑا ہوتا ہے، مجمعے کا ایسا زوردار دھکا لگتا ہے کہ بوڑھا سٹیج کی جانب مکمل طور پر پھر جاتا ہے اور دائیں کھڑکی پر سٹول کے قریب آ کر رکتا ہے۔ ایسا ہی مگر مخالف سمت میں بڑھیا کے ساتھ پیش آتا ہے اور وہ بائیں کھڑکی پر سٹول کے نزدیک آ کر رکتی ہے]

بوڑھا: [حرکت کرنے کے عمل کے دوران]: دھکا مت دیں، دھکا مت دیں۔

بڑھیا: [بوڑھے کے انداز میں] دھکا مت دیں، دھکا مت دیں۔

بڑھیا: [اسی انداز میں] بے فکر ہو جائیں............کوئی مسئلہ نہیں......دھیرج...... یہ کیا ہو رہا ہے؟

بڑھیا: [اسی انداز میں] کسی بھی صورت حال میں وحشیوں کا سا انداز اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

[بالآخر دونوں اپنا اپنا مخصوص انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ بوڑھا، بائیں جانب کھڑکی کے ساتھ جو ڈائس کے قریب ہے اور بڑھیا دائیں جانب، دونوں آخری وقت تک اپنا مخصوص انداز نہیں چھوڑتے۔

سین ۔۱۹

بڑھیا: [بوڑھے کو پکارتے ہوئے] پیارے......تم مجھے نظر نہیں آ رہے ہو......تم کہاں ہو؟ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ سب لوگ کیا چاہتے ہیں؟ وہ آدمی کون ہے؟

بوڑھا: تم کدھر ہو؟ تم کدھر ہو، سیمی رے مس؟

بڑھیا: جانو، تم کہاں ہو

بوڑھا: ادھر، کھڑکی کے ساتھ......کیا تم مجھے سن پا رہی ہو؟

بڑھیا: ہاں، مجھے تمہاری آواز آ رہی ہے......اتنی ساری آوازیں ہیں، مگر...... میں تمہاری آواز پہچان رہی ہوں......

بوڑھا: اور تم، تم کہاں ہو؟

بڑھیا: میں بھی کھڑکی کے قریب ہی ہوں!...... جانو، مجھے ڈر لگ رہا ہے، اتنے سارے لوگ ہیں...... ہم ایک دوسرے سے بہت دور ہیں...... اس عمر میں ہمیں بہت محتاط ہونا چاہیے......کہیں ہم گم نہ ہو جائیں......ہمیں ساتھ ساتھ رہنا چاہیے، وقت کا کوئی پتہ نہیں ہوتا، میرے پیارے، میرے جانو............

بوڑھا: آہ!......تم مجھے ابھی ابھی دکھائی دی ہو......اوہ!............کبھی فکر نہ کرنا، ہم ایک دوسرے کو ڈھونڈ نکالیں گے............ میں دوستوں کے ساتھ ہوں۔[دوستوں سے مخاطب] مجھے آپ سے مصافحہ کر کے بے حد خوشی ہو رہی ہے......ہاں یقیناً ترقی، مسلسل ترقی پر میرا ایقان ہے، خواہ، تھوڑی بہت رکاوٹ............

بڑھیا: بہت اچھے، شکریہ......کا ی فضول موسم ہے، ہاں موسم بہت عمدہ ہے![Aside] مجھے ڈر ہے...... پھر بھی میں یہاں کر کیا رہی ہوں......[وہ چلاّتی ہے] میرے ڈارلنگ! میرے ڈارلنگ۔

[بوڑھا اور بڑھیا اپنے قریب بیٹھے مہمانوں سے علیحدہ علیحدہ بات کرتے ہیں]

بوڑھا: انسان کا انسان کے ہاتھوں استحصال روکنے کے لیے ہمیں دولت چاہیے، دولت اور زیادہ دولت۔

بڑھیا: میرے ڈارلنگ![then hemmedin by friends]ہاں، میرے

شوہر یہیں ہیں، ہر چیز کا انتظام وہی کر رہے ہیں.............ادھر......اوہ! آپ وہاں نہیں پہنچ پائیں گے......آپ کو اس طرف جانا چاہیے تھا، وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہیں......

بوڑھا: قطعی نہیں...... میں تو ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں...... عقل محض (Pure logic) کوئی وجود نہیں رکھتی............ ہمارے حصے میں صرف نقالی آئی ہے۔

بڑھیا: مگر آپ کے علم میں ہے کہ ایسے لوگ موجود ہیں جو خوش ہیں۔ ناشتہ وہ جہاز میں کرتے ہیں، دوپہر کا کھانا بہترین بلٹ ٹرین میں کرتے ہیں، شام کا کھانا آرام دہ بحری جہاز میں مزے سے کھاتے ہیں اور رات کو ان ٹرکوں میں سوتے ہیں جو چلتے رہتے ہیں، چلتے رہتے ہیں، چلتے رہتے ہیں..........

بوڑھا: عظمتِ انسان کی بات کرنی چاہیے! کم از کم درجے میں ہم اپنی لاج بچانے کی کچھ تو کوشش کریں، اور یہ عظمت بغیر جڑ کے ہے۔

بڑھیا: سایوں کی طرف مت بڑھیں............[دوران گفتگو اس کا قہقہہ بلند ہوتا ہے]

بوڑھا: آپ کے ہم وطن میرے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں۔

بڑھیا: واقعی...... مجھے سب کچھ بتائیں۔

بوڑھا: میں نے آپ کو مدعو کیا ہے......تاکہ آپ کو وضاحت کر سکوں......کہ فرد اور شخص میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

بڑھیا: اس کی شکل ہی ادھار مانگنے والوں کی سی ہے، اس نے ہماری خاصی رقم دینی ہے۔

بوڑھا: یہ میں خود نہیں ہوں۔ میں کوئی دوسرا ہوں، میں وہ ہوں جو دوسرے میں ہے۔

بڑھیا: میرے بچو! خیال رکھنا، کہیں کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔

بوڑھا: بسا اوقات میں مکمل خاموشی کے بیچ میں جاگ جاتا ہوں، یہ ایک کامل دائرہ ہے۔ ہر لحاظ سے مکمل لیکن بہر صورت بندے کو محتاط رہنا چاہیے۔ اس کی صورت (Shap) غائب ہو سکتی ہے۔ اس میں کچھ سوراخ ہیں جہاں سے یہ غائب ہو سکتی ہے۔

بڑھیا: یہ بھوت پریت کچھ نہیں ہوتے...... جو ذمہ داریاں میرا شوہر نبھاتا ہے وہ انتہائی اہم ہیں، بہت لطیف اور نازک۔

بوڑھا: معاف کیجیے...... یہ میری رائے ہرگز نہیں ہے! کسی مناسب موقع پر اس بارے میں مَیں آپ کو اپنے خیالات کے بارے میں بتاؤں گا......اس وقت میں کچھ نہیں کہوں گا!...... ہم مقرر کا انتظار کر رہے ہیں، وہ آپ کو بتائے گا، وہ میری طرف سے بولے گا، اور ہر اس شے کی وضاحت کرے گا جو ہمارے نزدیک انتہائی اہم ہے......وہ آپ کے سامنے ہر بات کو کھول کر رکھ دے گا......کب؟......جب وہ وقت آئے گا......وہ وقت جلد آئے گا۔

بڑھیا: [اپنی طرف بیٹھے دوستوں کو] جس قدر جلد ہو اتنا ہی بہتر ہے...... یہ تو طے ہے......[Aside] وہ تو ہمیں چھوڑ کر جاتے دکھائی نہیں دیتے۔ انھیں جانے دو۔ وہ جاتے کیوں نہیں؟......میرا بیچارہ، وہ کدھر ہے؟ مجھے تو اب وہ دکھائی بھی نہیں دے رہا......

بوڑھا: اس قدر بے قرار مت ہوں۔ آپ میرا پیغام سن لیں گے، بس ذرا سی دیر۔

بڑھیا: [Aside] آہ!...... مجھے اس کی آواز آ رہی ہے!......[اپنے دوستوں کو] کیا آپ جانتے ہیں کہ میرے شوہر کو کبھی سمجھا ہی نہیں گیا۔ مگر بالآخر اس کا وقت آ ہی گیا۔

بوڑھا: مجھے بھی ذرا توجہ سے سنیں، مجھے زندگی کا گہرا تجربہ اور شعور ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں، فکر کی ہر ایک سطح پر...... میں انا پرست نہیں ہوں: انسانیت کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے جو میں نے سیکھا ہے۔

بڑھیا: اوئی! آپ نے میرے پاؤں پر پاؤں رکھ دیا...... مجھے پہلے ہی Chilblains ہے!

بوڑھا: میں نے ایک حقیقی نظام کو کامل بنایا ہے [Aside] مقرر کو اب تک آ جانا چاہیے تھا۔ [بلند آواز سے] میں نے بہت تکالیف اٹھائی ہیں۔

بڑھیا: ہم نے بہت دکھ جھیلے ہیں [Aside] مقرر کو یہاں ہونا چاہیے تھا۔ وقت ہو گیا ہے۔

بوڑھا: بہت دکھ سہنا--- بہت سیکھنا۔

بڑھیا: [بازگشت] آپ خود دیکھ لیں گے کہ اس کا نظام کامل ہے۔

بوڑھا: اگر میری اس بات پر عمل درآمد کر لیا گیا تو

بڑھیا: [بازگشت] اگر اس کی ہدایات پر عمل درآمد کر لیا گیا تو............

بوڑھا: ہم دنیا کو بچا لیں گے!............

بڑھیا: [بازگشت] دنیا کو بچانا دراصل اپنی روح کو بچانا ہے!............

بوڑھا: سب کے لیے واحد سچائی!

بڑھیا: [بازگشت] سب کے لیے واحد سچائی۔

بوڑھا: میرے پیچھے آئیں!............

بڑھیا: اس کے پیچھے آؤ!......

بوڑھا: کیوں کہ مجھے کامل یقین ہے!......

بڑھیا: [بازگشت] اس کے پاس قطعی یقین ہے!

بوڑھا: کبھی نہیں............

[اچانک ہمیں پروں کا تیز شور سنائی دیتا ہے، Fanfares]

بڑھیا: یہ کیا ہو رہا ہے؟

سین۔۲۰

[شور میں اضافہ ہوتا ہے اور پھر دروازہ بھاری بھرکم آواز کے ساتھ چوپٹ کھل جاتا ہے؛ کھلے دروازے سے ہمیں مرکزی دروازے اور کھڑکیوں سے آتے ہوئے روشنی کے سیلاب کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، شہنشاہ کے داخلے کا راستہ روشنی سے دمک رہا ہے۔]

بوڑھا: مجھے نہیں پتہ............ مجھے یقین نہیں آ رہا............ کیا ایسا ممکن ہے............ مگر ہاں......... مگر ہاں......... ناقابل یقین......... مگر یہی سچ ہے......... ہاں ......مگر...... ہاں............ یہ شہنشاہ ہی ہیں! جہاں پناہ، شہنشاہ!

[کھلے دروازے اور کھڑکیوں سے آتی ہوئی روشنی حد درجہ تیز ہو جاتی ہے؛ مگر اس روشنی میں سرپن اور کھوکھلا پن ہے؛ مزید آوازیں آتی ہیں جو یکلخت ختم ہو جاتی ہیں۔]

بوڑھا: کھڑے ہو جائیے! جہاں پناہ شہنشاہ معظم تشریف لاتے ہیں! شہنشاہ میرے مکان میں ہیں، ہمارے مکان میں موجود ہیں............ سیمی رے مس............ کیا تم اس کی اہمیت کا اندازہ کر سکتی ہو؟

بڑھیا: [کچھ نہ سمجھتے ہوئے] شہنشاہ............ شہنشاہ؟ میرے پیارے! [پھر اچانک وہ صورت حال کو سمجھ لیتی ہے] ارے ہاں، شہنشاہ! جہاں پناہ! جہاں پناہ! [وہ بے ہنگم طریقے سے عجیب وغریب آداب بجا لاتی ہے۔]

ہمارے مکان میں! ہمارے مکان میں!

بوڑھا: [جذباتی انداز میں روتے ہوئے] جہاں پناہ ......اوہ! جہاں پناہ!...... جہاں پناہ!......اوہ! میری کس قدر عزت افزائی کی گئی...... مجھے یہ شاندار سپنا محسوس ہو رہا ہے۔

بڑھیا: [بازگشت] ایک شاندار سپنا..........شان......دار......

بوڑھا: [غیر مرئی مجمعے کو] خواتین وحضرات، براہ کرم اپنی نشستوں سے کھڑے ہو جائیے، ہمارے محبوب حکمران، شہنشاہ معظم ہمارے درمیان موجود ہیں! ہرّ اہ، ہرّ اہ!

[شہنشاہ معظم کو دیکھنے کے لیے وہ سٹول پر اپنے پنجوں کے بل کھڑا ہوتا ہے؛ بڑھیا بھی ایسے ہی کرتی ہے]

بڑھیا: ہرّ اہ، ہرّ اہ!

[قدموں کی آہٹ]

بوڑھا: جہاں پناہ!...... میں یہاں موجود ہوں!...... جہاں پناہ! کیا آپ مجھے سن سکتے ہیں؟ کیا میں آپ کو دکھائی دے رہا ہوں؟ براہ کرم جہاں پناہ کو بتائیے کہ میں (ان کی خدمت کے لیے) یہاں موجود ہوں! جہاں پناہ! جہاں پناہ!!! میں یہاں موجود ہوں، آپ کا وفادار ترین خادم!......

بڑھیا: [دہراتے ہوئے] آپ کا وفادار ترین خادم، جہاں پناہ!

بوڑھا: آپ کا خادم، آپ کا غلام، آپ کا کتا، بھوں، بھوں، آپ کا کتا، جہاں پناہ!......

بڑھیا: [کتے کی طرح بھونکتے ہوئے] بھوں......بھوں......بھوں......

بوڑھا: [اپنے ہاتھ بھینچتے ہوئے] کیا آپ مجھے دیکھ پا رہے ہیں؟...... جناب والا، جواب سے نوازیے......آہ، میں آپ جناب کو دیکھ سکتا ہوں، میں نے ابھی ابھی آپ کے متین

چہرے کی زیارت کی ہے......آپ کی الوہی پیشانی...... میں نے آپ کو دیکھا ہے، ہاں، باوجود اس کے کہ آپ درباریوں سے گھرے ہوئے ہیں......

بڑھیا: درباریوں کے باوجود......ہم یہاں ہیں، جہاں پناہ!

بوڑھا: جہاں پناہ! جہاں پناہ! خواتین وحضرات.......... جہاں پناہ کھڑے ہیں.......... دیکھیے...... جہاں پناہ، صرف میں ہی ہوں جو آپ کا خیال رکھتی ہوں، آپ کی صحت کا خیال رکھتی ہوں، میں آپ کی پوری رعیت میں سب سے زیادہ وفادار..........

بڑھیا: [بازگشت] جہاں پناہ کی وفادار ترین رعیت!

بوڑھا: مجھے راستہ دیں، اب خواتین و حضرات...... اتنی بھیڑ میں میں راستہ کیسے بناؤں؟...... مجھے جہاں پناہ کو شہنشاہ کو عاجزانہ سلام کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے جانا چاہیے...... مجھے گزرنے دیجیے......

بڑھیا: [بازگشت] اسے گزرنے دیں......اسے گزرنے دیں......گزر..........

بوڑھا: براہ کرم مجھے گزرنے دیں، مجھے گزرنے دیں [بے قراری سے] آہ! کیا میں ان تک کبھی پہنچ پاؤں گا بھی یا نہیں؟

بڑھیا: [بازگشت] ان تک پہنچنا..........ان تک پہنچنا..........

بوڑھا: کچھ بھی ہو، میرا دل اور میرا پورا وجود ان کے قدموں میں نثار ہے، انھیں درباریوں کے ہجوم نے گھیر رکھا ہے، آہ! آہ! وہ مجھے ان تک رسائی نہیں دینا چاہتے..........

انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ..........اوہ! مجھے معلوم ہے، مجھے معلوم ہے..........محلاتی سازشیں، میں ان سب کے بارے میں اچھی طرح باخبر ہوں.......... وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ جہاں پناہ سے جدا کر پائیں گے!

بڑھیا: ڈارلنگ، اپنے آپ کو سنبھالو...... جہاں پناہ نے آپ کو دیکھ لیا ہے وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں...... جہاں پناہ نے مجھے آنکھ ماری ہے...... جہاں پناہ ہماری ہی طرف آ رہے ہیں!......

بوڑھا: انھیں شہنشاہ کو بہترین نشست پر بٹھانا چاہیے............ ڈائس کے قریب............ تاکہ وہ براہ راست بات کو سن سکیں جو مقرر کہنے والا ہے۔

بڑھیا: [سٹول پر ایڑھیوں کے بل بلند ہوتے ہوئے تاکہ بہتر طور پر دیکھ سکے] آخر کار وہ شہنشاہ کا بہتر خیال رکھ رہے ہیں

بوڑھا: اس پر خدا کا شکر ادا کرو! [شہنشاہ کو] عزت مآب...... جہاں پناہ آپ اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ یہ میرا دوست ہے۔ یہ میرا نمائندہ ہے جو جہاں پناہ کے پاس کھڑا ہے۔ [سٹول پر ایڑھیوں کے بل کھڑے ہو کر] حضرات، خواتین، دوشیزاؤ، بچوں، میں آپ سے التجا کرتا ہوں۔

بڑھیا: [بازگشت] ال...... جا......

بوڑھا: میں دیدار کرنا چاہتا ہوں...... ایک طرف کو ہو جائیں...... میں چاہتا ہوں...... وہ سماوی نظریں، وہ پرشکوہ چہرہ، وہ تاج، جہاں پناہ کی طلسماتی شخصیت...... جناب والا اپنے چہرۂ انور کی تجلی عطا فرمائیے! میری جانب، اپنے ادنیٰ غلام کی جانب...... نہایت عاجز...... ارے! اس مرتبہ میں نے ان کا واضح دیدار کر لیا...... دیدار......

بڑھیا: [بازگشت] اس مرتبہ اس نے دیدار کر لیا...... ......اس نے کر لیا............ دیدار............

سین۔۲۱

بوڑھا: میری خوشی کی انتہا نہیں ہے...... شکر گزاری کے احساسات بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں...... میرے غریب خانے پر، اوہ! جہاں پناہ! اوہ! ضوفشانی!...... یہاں...... یہاں...... جہاں میں زندگی بسر کر رہا ہوں، ایک پکا ہمہ کاری نوکر، کمّیں............

بڑھیا: [بازگشت] ہمہ کاری نوکر، کمّیں............

بوڑھا: مجھے اس پر فخر ہے...... فخر اور عاجزی بیک وقت...... اور مجھے ایسے ہی ہونا چاہیے...... افسوس!...... جہاں پناہ...... مجھ سے اظہار نہیں ہو پا رہا............ اگر ہم...... جہاں پناہ، ان جذبات کے لیے معذرت خواہ ہوں......

بڑھیا: ضمیر غائب کے صیغے میں بات کرو!

بوڑھا: [روتے ہوئے] کیا جہاں پناہ درگزر سے کام لے سکتے ہیں! بالآخر آپ یہاں موجود ہیں............ ہم نے تو امیدیں چھوڑ دیں تھیں...... ممکن ہے آپ نہ آتے...... اوہ! نجات دہندہ، زندگی بھر مجھے ذلت کا سامنا رہا......

بڑھیا: [سسکیاں لیتے ہوئے] ذل............ لت......

بوڑھا: زندگی میں مَیں نے بہت تکلیفیں جھیلیں...... میں کچھ نہ کچھ بن جاتا، اگر مجھے جہاں پناہ کی مدد کا یقین ہوتا............ میرے ساتھ کوئی اور معاونت نہیں...... اگر آپ اب بھی نہ آتے تو ہر شے میں تاخیر ہو جاتی............ آپ، جناب من، آپ میری آخری پناہ گاہ ہیں............

بڑھیا: [بازگشت] آخری پناہ گاہ............ جناب من، پناہ گاہ............ آخری............

بوڑھا: میری وجہ سے میرے دوست بھی مصیبت میں پھنسے، وہ تمام لوگ جنھوں نے میری مدد کی تھی............

بڑھیا:............مدد کی تھی............

بوڑھا: ان کے پاس ہمیشہ مجھ سے نفرت کے لیے اچھی وجوہات اور محبت کے لیے بری وجوہات ہوتی تھیں............

بڑھیا: یہ سچ نہیں ہے، میری جان، غلط ہے، میں تم سے پیار کرتی ہوں، میں تمہاری چھوٹی سی ماں ہوں............

بوڑھا: میرے تمام دشمنوں پر عطا ہوئی اور میرے دوستوں نے دغا دیا............

بڑھیا: [بازگشت] دوستوں نے......دغا دیا............دغا دیا............

بوڑھا: انھوں نے میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا، مجھ پر تشدد کیا، اگر میں نے کبھی شکایت کی تو حق پر ہمیشہ وہی ٹھہرے۔ بعض اوقات میں نے انتقام لینے کی کوشش کی......میں انتقام لینے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا تھا............مجھے رحم آجاتا......میں نے دشمن پر وار کرنے سے ہمیشہ انکار کیا، میں ہمیشہ ہی بہت اچھا رہا ہوں۔

بڑھیا: وہ بہت اچھا تھا، اچھا، اچھا، اچھا......

بوڑھا: دراصل میرے رحم نے مجھے شکست دی ہے۔

بڑھیا: میرا رحم......رحم......رحم......

بوڑھا: مگر انھوں نے مجھ پر کبھی رحم نہیں کیا۔ میں نے انھیں معمولی سی سوئی چبھوئی اور انھوں نے مجھ پر ڈنڈے سے وار کیے، چاقو سے وار کیے، اسلحے سے حملہ آور ہوئے، انھوں نے میری ہڈیاں توڑ ڈالیں............

بڑھیا: [بازگشت] میری ہڈیاں......میری ہڈیاں......میری ہڈیاں......

بوڑھا: انھوں نے مجھے نکال باہر کیا، مجھے لوٹا، مجھے قتل کر ڈالا......

بڑھیا: لُوٹا............مجھے

بوڑھا: یہ سب کچھ فراموش کرنے کے لیے، جہاں پناہ، میں نے سیر و تفریح کے لیے جانا چاہا......کوہ پیمائی کے لیے............انھوں نے مجھے پاؤں سے پکڑ کر کھینچ لیا......میں نے سیڑھیاں چڑھنی چاہیں......انھوں نے زینے خراب کر دیے......میں گر گیا......میں نے باہر کا سفر کرنا چاہا، انھوں نے پاسپورٹ دینے سے انکار کیا......میں نے دریا پار کرنا چاہا، انھوں نے میرے پُلوں کو آگ لگا دی......

بڑھیا: [بازگشت] میرے پُل جلا ڈالے۔

بوڑھا: میں نے سلسلہ ہمالیہ عبور کرنا چاہا تو یہ پہاڑی سلسلہ ہی غائب کر دیا گیا۔

بڑھیا: [بازگشت] پہاڑی سلسلہ غائب......وہ بن سکتا تھا، وہ بھی جہاں پناہ، دوسروں کی مانند چیف ایڈیٹر، چیف ڈاکٹر، جہاں پناہ، ایک چیف بادشاہ......

بوڑھا: اور کیا بتاؤں کہ مجھے کبھی کسی نے اہمیت نہیں دی......مجھے کبھی کسی نے دعوت نامے نہیں بھیجے۔ تاہم میں، میری بات سنیے، یہ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ صرف میں انسانیت کو بچا سکتا تھا، جو بیمار ہے۔ جہاں پناہ کو اس کا اتنا ہی احساس ہے جتنا کہ مجھے......میں کم سے کم اسے ان برائیوں سے بچا سکتا تھا جس میں وہ ربع صدی سے مبتلا ہے، اگر مجھے اپنے پیغام کی ترسیل کا موقع مل جاتا......میں اس کی نجات سے قطعی مایوس نہیں ہوں، ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، میرے پاس ایک منصوبہ ہے......بدقسمتی سے، مجھے اظہار میں دقت ہو رہی ہے............

بڑھیا: [دکھائی نہ دینے والے لوگوں کے اوپر سے] مقرر جلد ہی یہاں ہوگا، وہ آپ لوگوں کے لیے بولے گا۔ جہاں پناہ موجود ہیں، آپ کو سنا جائے گا، مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، آپ کے پاس ترپ کے تمام پتے ہیں، ہر شے بدل چکی ہے، ہر شے بدل چکی ہے......

بوڑھا: مجھے یقین کامل ہے کہ جہاں پناہ درگزر سے کام لیں گے...... میں جانتا ہوں کہ آپ کو اور بھی بکھیڑے ہیں...... میری تذلیل ہوئی ہے...... خواتین وحضرات، ذرا ایک طرف کو ہو جائیں، جہاں پناہ کی ناک میری نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے، میں بادشاہ کے چمکتے ہوئے ہیرے دیکھنا چاہتا ہوں...... لیکن اگر جہاں پناہ نے میرے اس بدحال غریب خانے پر آنے کی تکلیف گوارا کی ہے تو محض اس ناچیز کی دلجوئی کے لیے۔ مجھے کیسا اعزاز اور انعام نصیب ہوا۔ جہاں پناہ، اگر میں پنجوں کے بل کھڑا ہوں تو میں بلند ہو کر گستاخی نہیں کر رہا بلکہ مقصد آپ پر بھرپور نگاہ ڈالنا ہے!...... اخلاقی طور پر، میں اپنے آپ کو آپ کے قدموں میں ڈالتا ہوں۔

بڑھیا: [سسکتے ہوئے] آپ کے قدموں میں، جناب والا، ہم آپ کے قدموں میں گرتے ہیں، آپ کے ٹخنوں میں............

بوڑھا: مجھے خارش ہو گئی، میرے مالک نے مجھے نوکری سے نکال دیا کیوں کہ میں اس کے بچے، اس کے گھوڑے کے سامنے جھکتا نہیں تھا۔ مجھے ایسی جگہ لات ماری گئی جو بتانے کے قابل نہیں، مگر ان سب چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں...... کیوں کہ جہاں پناہ...... دیکھیں...... میں یہاں ہوں...... یہاں......

بڑھیا: [بازگشت] یہاں............ یہاں............ یہاں............ یہاں............

بوڑھا: کیوں کہ جہاں پناہ یہاں موجود ہیں...... کیوں کہ جہاں پناہ میرے پیغام کو اہمیت

دیں گے...... مگر مقرر کو یہاں ہونا چاہیے تھا...... وہ جہاں پناہ کو انتظار کی زحمت دے رہا ہے......

بڑھیا: اگر جہاں پناہ اسے معاف کر پائیں۔ وہ آتا ہی ہوگا۔ بس وہ ایک لمحے میں یہاں ہو گا۔ انھوں نے ہمیں فون کیا ہے۔

بوڑھا: جہاں پناہ بہت مہربان ہیں۔ جہاں پناہ ہمیں اس طرح سے نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ہر چیز سنے بغیر نہیں جائیں گے۔

بڑھیا: [بازگشت] ہر چیز سنے بغیر...... ہر چیز سنے بغیر......

بوڑھا: یہ وہ ہے جو میری جگہ بولے گا...... میں، میں بات نہیں کر سکتا...... مجھ میں اس صلاحیت کی کمی ہے...... اس کے پاس تمام کاغذات، تمام دستاویزات موجود ہیں............

بڑھیا: [بازگشت] اس کے پاس تمام دستاویزات موجود ہیں......

بوڑھا: بس تھوڑا سا صبر، جناب من، میں ملتمس ہوں...... وہ آتا ہی ہوگا۔

بڑھیا: وہ ذرا سی دیر میں آجائے گا۔

بوڑھا: وہ آئے گا۔

بڑھیا: وہ آئے گا۔

بوڑھا: وہ آئے گا۔

بڑھیا: وہ آئے گا۔

بوڑھا: وہ آ رہا ہے۔

بڑھیا: وہ آ رہا ہے۔

بوڑھا: وہ آ رہا ہے، وہ یہاں ہے۔

بڑھیا: وہ آ رہا ہے، وہ یہاں ہے۔

بوڑھا اور بڑھیا: وہ یہاں ہے......

بڑھیا: بالآخر وہ یہاں ہے!

سین ۔۲۲

[خاموشی: تمام حرکات وسکنات رک جاتی ہیں۔ ساکن و جامد دونوں بوڑھے دروازہ نمبر ۵ کی جانب گھورتے رہتے ہیں؛ یہ دورانیہ قریباً تیس سیکنڈ کا ہے؛ نہایت آہستگی سے دروازہ چوپٹ کھل جاتا ہے۔ پھر مقرر نمودار ہوتا ہے۔ وہ حقیقی کردار ہے۔ وہ انیسویں صدی کا مخصوص روایتی مصور یا شاعر دکھائی دے رہا ہے؛ جس نے چوڑے کناروں والا سیاہ ہیٹ اور بوٹائی (Bow tie) پہن رکھی ہے، فنکاروں والا حلیہ ہے، مونچھیں اور صرف ٹھوڑی پر داڑھی ہے، اپنے اطوار سے تاریخی شخصیت محسوس ہوتا ہے، خود پسند اور مغرور معلوم ہوتا ہے؛ جس طرح غیر مرئی لوگ ممکنہ حد تک حقیقی محسوس ہوتے ہیں، اس کے برعکس مقرر غیر حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ وہ دو دیوار کے ساتھ ساتھ بہت آسانی اور نرمی سے ناک کی سیدھ میں چلتے چلتے مرکزی دروازے کے سامنے سٹیج کے مرکزی حصے تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ بڑھیا کے سامنے سے اسے کوئی توجہ دیے بغیر گزر جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ اس کو بھی اہمیت نہیں دیتا کہ جب بڑھیا یہ جاننے کے لیے اس کا بازو چھوتی ہے کہ آیا اس کا وجود حقیقی ہے یا نہیں، اسی موقع پر بڑھیا یہ کہتی ہے: ''بالآخر وہ یہاں ہے!'']

بوڑھا: بالآخر وہ یہاں ہے!

بڑھیا: [نگاہوں سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے] یہ واقعی وہی ہے۔ یہ موجود ہے۔ یہ گوشت پوست کا بندہ ہے۔

بوڑھا: [نگاہوں سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے] یہ موجود ہے، یہ واقعی وہی ہے۔ یہ خواب نہیں حقیقت ہے!

بڑھیا: یہ کوئی خواب نہیں، میں نے تمہیں بتایا تو تھا۔

[بوڑھا اپنے ہاتھوں کو مروڑتا ہے، آسمان کی طرف نگاہیں اٹھا کر خاموشی سے شکر بجا لاتا ہے۔ سٹیج کی پچھلی جانب پہنچ کر مقرر اپنا ہیٹ اتار کر مؤدبانہ انداز میں آگے کی جانب جھکتا ہے اور غیر مرئی شہنشاہ کی خدمت میں آداب بجالاتا ہے]

بوڑھا: ...... جہاں پناہ...... کیا میں آپ کو پیش کر سکتا ہوں، مقرر............ یہ ہے وہ!

[پھر مقرر ہیٹ اپنے سر پر رکھ کر ڈائس پر آتا ہے اور سٹیج پر موجود مجمعے اور کرسیوں پر نظر ڈالتا ہے اور ایک مخصوص انداز میں جامد ہو جاتا ہے]

بوڑھا: [غیر مرئی مجمعے کو] آپ لوگ اسے آٹوگراف کا کہہ سکتے ہیں۔ [مقرر مشینی انداز میں خاموشی سے بہت سے لوگوں کو آٹوگراف دیتا ہے۔ اس وقت بوڑھا دوبارہ آسمان کی جانب سر اٹھا کر سرشاری سے کہتا ہے] کوئی انسان زندگی میں اس سے زیادہ کی کیا خواہش کر سکتا ہے......

بڑھیا: [بازگشت] کوئی انسان اس سے زیادہ کی خواہش نہیں کر سکتا۔

سین ۔۲۳

بوڑھا: [غیر مرئی مجمعے کو] اور اب جہاں پناہ کی اجازت سے یہ ناچیز آپ تمام سے،

خواتین، نوجوان خواتین، چھوٹے بچوں، اپنے پیارے ہم کاروں، پیارے حریفوں، جہاں پناہ، Comrades in Arms............

بڑھیا: [بازگشت] اور چھوٹے بچے......بچ......چے......

بوڑھا: میں آپ سب سے مخاطب ہوں، عمر، جنس، سماجی مرتبے، سماجی عہدے یا کام سے قطع نظر، اپنے دل کی گہرائیوں سے میں آپ سب کا شکر گزار ہوں۔

بڑھیا: [بازگشت] آپ سب کا شکرگزار......

بوڑھا: اور مقرر بھی......دل کی گہرائی سے، اتنی بڑی تعداد میں آنے کے لیے......خاموشی، خواتین وحضرات!......

بڑھیا: [بازگشت] خاموشی......خواتین و......

بوڑھا: ان لوگوں کا بھی شکریہ مجھ پر واجب ہے جنھوں نے آج شام کے اس اجتماع کو ممکن بنایا ہے، منتظمین کا............

بڑھیا: شاندار!

[اس اثنا میں ڈائس پر موجود مقرر سنجیدہ اور بے حس و حرکت کھڑا رہتا ہے، تاہم اس کے ہاتھ آٹوگراف دیتے رہتے ہیں]

بوڑھا: اس عمارت کے مالکان کا، ماہر تعمیرات کا، مستریوں کا جنھوں نے یہ دیواریں کھڑی کیں!......

بڑھیا: [بازگشت]......دیواریں......

بوڑھا: ان تمام کا جنھوں نے اس کی بنیادی کھودیں............خاموشی، خواتین وحضرات

بڑھیا:......تین وحضرات............

بوڑھا: اور آخری مگر اہم بات میں ان بڑھئی حضرات کا دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے یہ کرسیاں بنائیں، جن پر آپ بیٹھے، بڑھئی استاد کا............

بڑھیا: [بازگشت] بڑ............ھئی

بوڑھا:......جس نے یہ آرام کرسی بنائی جس پر جہاں پناہ نہایت آرام سے بیٹھے ہیں اور جس کے باعث انھیں متانت اور باوقار انداز اختیار کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں......تمام پلمبروں، مکینکوں، برقی موت دینے والوں............کا ایک بار پھر شکر گزار ہوں۔

بڑھیا: [بازگشت]......برقی......موت......دینے والے............

بوڑھا:......کاغذ سازوں اور طابع حضرات، پروف خوانوں، ایڈیٹر حضرات جن کی بدولت یہ آج کی رنگا رنگ محفل سجی، عالمی بھائی چارے کا شکریہ، شکریہ، اپنے ملک کا، ریاست کا [شہنشاہ کی جانب رخ موڑتے ہوئے] جس کے جہاز کو جہاں پناہ گرداب سے نکال لائے ہیں......دربانوں کا شکریہ جنھوں نے مہمانانِ گرامی کو کرسیوں تک............

بڑھیا:......در......با............ن

بوڑھا: [بڑھیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے] چاکلیٹ اور پروگرام [کی ٹکٹیں] فروخت کرنے والے ہاکر............

بڑھیا: [بازگشت]............گرام............

بوڑھا:............میری بیوی............میری ساتھی............سیمی رے مس کا!......

بڑھیا: [بازگشت]............تھی............مس [Aside] ڈارلنگ، میرا ذکر کرنا کبھی نہیں

بھولتا۔

بوڑھا: ان تمام کا شکریہ جنھوں نے مجھے اپنی قیمتی اور ماہرانہ مالی یا اخلاقی معاونت سے نوازا، جس کی بدولت آج کی اس شام کا عظیم الشان اجتماع منعقد ہو سکا.............ایک بار پھر شکر گزار ہوں، اور سب سے بڑھ کر اپنے محبوب مطلق العنان فرماں روا، جہاں پناہ، شہنشاہ معظم............

بڑھیا: [بازگشت]......عنان......پناہ......

بوڑھا:............ذرا سی خاموشی......جہاں پناہ......

بڑھیا: [بازگشت]......پناہ......پناہ......

سین ۔۲۴

بوڑھا: جہاں پناہ، میری بیوی اور مجھے اب زندگی سے کسی اور شے کی حاجت نہیں۔ اس مقدس جگہ ہماری ہستی کا خاتمہ ہو سکتا ہے......ایسی پرسکون اور طویل عمر عطا ہونے پر ہم قدرت کے شکر گزار ہیں......میری زندگی کا جام اب لبریز ہو چکا، میرا مشن اب پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ مجھے بے مصرف زندگی بسر نہیں کرنی، ویسے بھی میرا پیغام دنیا تک جلد ہی پہنچنے والا ہے......[مقرر کی جانب توجہ دیتے ہوئے، جسے وہ نہیں دیکھ پاتا؛ مقرر بڑے مہذب اور باوقار انداز میں مزید آٹوگراف دینے سے انکار کرتا ہے] دنیا تک، یا بلکہ اب جو کچھ بچ پایا ہے![غیر مرئی مجمعے کی جانب ایک بھرپور پیارے ساتھیو،نسل انسانی سے اب یہی بچا ہے، مگر اس طرح کے بچے کھچے سے تو اب بھی ایک بہت اچھا سوپ (soup) تیار کیا جا سکتا ہے......مقرر، دوست............[مقرر کسی اور سمت دیکھتا ہے] اگر مجھے ایک مدت دراز تک

پہچانا نہیں گیا، میرے ہم عصروں نے مجھے درخور اعتنا نہیں جانا، تو اس کا سبب یہ ہے کہ ایسا ہونا......[بڑھیا سسکیاں بھر رہی ہے] اب صرف یہ بات اہم ہے کہ اب جب کہ میں آپ پر یہ ذمہ داری، میرے پیارے مقرر، آپ پر یہ فریضہ [مقرر ایک آٹوگراف کی فرمائش پوری کرنے سے انکار کرتا ہے اور چاروں جانب دیکھتے ہوئے ایک لاتعلقی کا انداز اختیار کرتا ہے] چھوڑے جا رہا ہوں کہ آنے والی نسلوں تک میرے ذہن کی روشنی منتقل کریں......تاکہ اس کائنات تک میرا فلسفہ پہنچ پائے۔ میری نجی زندگی کی کسی بھی طرح کی جزیات فراموش مت کرنا، کچھ مضحکہ خیز، کچھ تکلیف دہ یا جذباتی، کچھ میرے ذوق کے متعلق، کچھ میرے پیٹو پن پر...... ہر شے بتاؤ............میری رفیق حیات کے بارے میں بات کرو......[بڑھیا کی سسکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے]......کہ کس طرح اس نے شاندار پیسٹری تیار کی............میرے آبائی صوبے کے بارے میں بات کرو............میں نے آپ پر تکیہ کیا ہوا ہے، عظیم رہنما اور مقرر............ جہاں تک میرا اور میری رفیق حیات کا تعلق ہے تو انسانیت کی ترقی کے لیے ایک لمبی جدوجہد کے بعد جس میں ہم نے نہایت عمدہ لڑائی لڑی۔ ہمارے پاس دستبرداری کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں............فوری طور پر، عظیم قربانی کے لیے، جس کا ہم سے کوئی تقاضہ بھی نہیں کر رہا، مگر جسے ہمیں بہرصورت دینا ہے، خواہ............

بڑھیا: [سسکتے ہوئے] ہاں، ہاں، ہمیں پوری عظمت اور رفعت کے ساتھ مرنا ہے............ آؤ یادگار (Legend) بننے کی خاطر مر جائیں......کم از کم یہ تو ہوگا کہ وہ ہمارے نام پر کسی سڑک یا گلی کا نام رکھ دیں گے۔

بوڑھا: [بڑھیا کو] او میرے وفادار ساتھی!......جس کا مجھ پر پوری صدی بلاشرکت غیرے یقین تھا، جو مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوئی، کبھی بھی نہیں......افسوس، آج، اس تاریخی لمحے پر، یہ

مجمع ہمیں بڑی بے رحمی سے جدا کر رہا ہے......

سب سے بڑھ کر میں نے یہ چاہا تھا
کہ ہم ایک ساتھ ہی پڑے ہوں
اپنی تمام ہڈیوں سمیت
اسی جلد کے اندر اسی ڈھانچے کے اندر
اور وہی حشرات
ہمارے بوڑھے گوشت کو
آپس میں بانٹ رہے ہوں
تا کہ ہم ایک ساتھ گلیں اور سڑیں............

بڑھیا: ....ایک ساتھ گلیں اور سڑیں............

بوڑھا: افسوس......صد افسوس!.......

بڑھیا: افسوس......صد افسوس!.......

بوڑھا: ....ہماری لاشیں ایک دوسرے سے دور گریں، اور ہم آبی تنہائی میں گلیں اور سڑیں گے............ہم پر زیادہ ترس نہ کھانا۔

بڑھیا: ہونی کو کون ٹال سکتا ہے!

بوڑھا: ہمیں بھلایا نہیں جائے گا۔ دائمی شہنشاہ ہمیں یاد رکھیں گے، ہمیشہ۔

بڑھیا: ہم اپنے کچھ نشانات چھوڑ جائیں گے، کیوں کہ ہم انسان ہیں شہر تو نہیں۔

بوڑھا اور بڑھیا: [ایک ساتھ] ہمارے نام پر ایک گلی کا نام رکھا جائے گا۔

بوڑھا: آؤ زماں اور ابد میں گم جائیں، اگر چہ مکاں میں ہم ایک ساتھ نہیں ہیں، جیسا کہ ہم

اپنی بدقسمتی میں تھے: آؤ ایک ہی لمحے میں ہم موت کو گلے لگا لیں......[مقرر کو، جو بے حس و حرکت ہے] آخری مرتبہ............میں آپ پر بھروسہ کرتا ہوں......میں نے آپ پر تکیہ کیا ہوا ہے......تم سب کچھ بتا دو گے...... پیغام آنے والی نسلوں کو منتقل کر دو گے......[شہنشاہ کو] اگر جہاں پناہ کو زحمت نہ ہو تو سب کو الوداع، الوداع، سیمی رے مس

بڑھیا: سب کو الوداع!......الوداع ڈارلنگ!

بوڑھا: جہاں پناہ جئیں ہزار برس!

[رنگین کاغذوں کے پرزے بادشاہ کی جانب پھینکتا ہے، ہم جشن جیسا شور سماعت کرتے ہیں اور آتش بازی جیسی روشنیاں دیکھتے ہیں]

بڑھیا: جہاں پناہ جئیں ہزار برس!

[رنگین کاغذوں کے پرزے شہنشاہ کی سمت پھینکے جاتے ہیں، پھر بے حس و حرکت مقرر پر اور خالی کرسیوں پر]

بوڑھا: جہاں پناہ جئیں ہزار برس!

بڑھیا: جہاں پناہ جئیں ہزار برس!

[بڑھیا اور بوڑھا بیک وقت کھڑکی سے باہر "جہاں پناہ جئیں ہزار برس" کہتے ہوئے چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ اچانک سناٹا چھا جاتا ہے، آتش بازی ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں سٹیج کے دونوں اطراف سے "آہ" کی آواز اور پھر دو وجودوں کے سمندر میں گرنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ مرکزی دروازے اور کھڑکیوں سے آتی ہوئی روشنی غائب ہو چکی ہے؛ نہایت ہلکی سی روشنی باقی رہتی ہے۔ تاریک کھڑکیاں چوپٹ کھلی ہیں اور ان کے پردے تیز ہوا اڑا رہے ہیں]

سین ۔۲۵

[مقرّر اس دہری خودکشی کے دوران ساکن اور بے حس وحرکت رہتا ہے اور چند لمحات کے بعد وہ بولنے کا فیصلہ کرتا ہے۔اب اس کے سامنے خالی کرسیاں ہیں، وہ غیر مرئی مجمعے کو باور کراتا ہے کہ وہ بہرہ اور گونگا ہے؛ مکمل بہرے افراد والی حرکات وسکنات کرتا ہے؛ اپنی بات سمجھانے کے لیے بے تحاشا کوشش کرتا ہے پھر وہ ذرا کھانستا ہے، کراہتا ہے اور اس کے حلق سے یہ آوازیں برآمد ہوتیں ہیں]

مم، مم، جو، گو، ہو، ہیو، گئ، گؤ ، گیو.......................

[ناچار، وہ اپنے بازو ڈھیلے چھوڑ دیتا ہے، اچانک اس کا چہرہ کھل اٹھتا ہے، اسے کوئی خیال سوجھتا ہے اور تختۂ سیاہ کی طرف رخ پھیر لیتا ہے، اپنی جیب سے ایک چاک نکال کر بڑے حروف میں یہ لکھتا ہے]

ANGEL FOOD

اور پھر:

NNAA NNM NWNWNWV

مقرر: مم، مم، گؤ ، گیو، گو، مم، مم، مم،

الوداع، الوداع

جمال پانی پتی

لایعنی تھیٹر............خالی کرسی

اسکیمو کے لیے سب سے بڑا مسئلہ برف کا منجمد وجود ہے لیکن وہ اسی برف سے اپنا مکان تیار کرتا ہے اور اس میں رہتا ہے۔اس کی ساری زندگی اسی برف کے بے حس وجود کے اطراف گھومتی ہے۔ یہ برف اس کے وجود کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کی زندگی اس چیلنج کو قبول کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ وہ اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے برف کے بے ہنگم وجود کو تراشتا ہے لیکن اس کے باوجود اسکیمو مر جاتا ہے مگر برف باقی رہتی ہے۔ برف کی بے معنویت اسے ہمیشہ کے لیے اپنی آغوش میں کھینچ لیتی ہے۔جس طرح اسکیمو کی زندگی برف کے بے معنویت کے اطراف گھومتی ہے اسی طرح بے معنویت کی برف نئے انسان کے گرد گھوم رہی ہے۔جس طرح اسکیمو کے لیے برف ایک خطرہ ہے لیکن وہ اسی برف سے اپنا مکان بھی تیار کرتا ہے اور اس میں رہتا ہے۔اسی طرح نیا انسان بھی بے معنویت ہی کے گھر میں رہتا ہے۔ وہ اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی بے معنویت کی برف کو تراشتا ہے اور اس میں رہتا ہے جس طرح اسکیمو مر جاتا ہے لیکن برف باقی رہتی ہے اسی طرح معنی مر جاتے ہیں لیکن بے معنویت کی برف باقی رہتی ہے لیکن یہ بے معنویت کیا ہے اور معنی کی موت سے کیا مراد ہے؟

نیا انسان معنی کے کسی ماورائی نظام کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ انسانی حدوں میں معنی کی تلاش انسان کا مقدر ہو چکا ہے۔معنی کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ انسان کائنات میں اپنی موجودگی کا جواز چاہتا ہے۔ وہ اپنے وجود کو معنی دینا چاہتا ہے۔اس میں

کبھی محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور کبھی نفرت کے، وہ کبھی انفرادی آزادی کے گیت گاتا ہے اور کبھی اجتماعی رقص میں گم ہونا پسند کرتا ہے کبھی اس کی سفاک فطرت چنگیز و ہلاکو کی تباہ کاریوں میں اپنا اظہار کرتی ہے اور کبھی گوتم و سقراط کی شکل میں وہ زندگی کی گود میں اٹے ہوئے دکھی مسافروں کے لیے شجر سایہ دار بن جاتا ہے۔ متضاد سمتوں میں انسانی روح کا یہ سفر کیا کوئی معنی رکھتا ہے؟ کیا اس کے روحانی اضطراب کی تقدیر ایک بے روح انجماد میں تبدیل ہو جانا نہیں ہے؟ کیا زندگی کی چیخ و پکار موت کے سناٹے میں ہمیشہ کے لیے جذب نہیں ہو جاتی۔ اگر یہاں موت ہے تو پھر کسی چیز کے کوئی معنی نہیں ہیں اور جب معنی نہیں ہیں تو محبت و نفرت، انفرادیت و اجتماعیت، چنگیز و ہلاکو اور سقراط گوتم سب ایک ہی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اور یہ زنجیر بے معنویت کی زنجیر ہے۔ انسان کے سارے احساسات، خیالات، جذبات، رشتے اور اعمال و افکار سب اسی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں، ہر چیز بے معنویت میں تحلیل ہو جانے پر مجبور ہے۔ بے معنویت کے اس شعور کا نام نیا انسان ہے۔ نیا انسان بے معنویت کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہے۔ انسان نام ہے شعور کا اور شعور وہ گداگر ہے جو بے معنویت کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے۔ دروازہ کھلتا نہیں گداگر ہٹتا نہیں دونوں میں کوئی رشتہ نہیں۔ اس رشتہ کی مہملت کے شعور سے نیا انسان جنم لیتا ہے۔ اس شعور نے جہاں ایک طرف وجودیت کے مختلف فکری دھاروں کو کافکا کی لاحاصل دنیا اور البرکامیو اور ہیمنگوے کی بے مقصد کائنات کو جنم دیا، وہاں لایعنی تھیٹر کی خالی کرسیاں بھی اسی شعور کی پیداوار ہیں۔ انسانی وجود کے ڈرامے کا کوئی تماشائی نہیں وہ ایک مہمل ابتدا سے بے معنی انتہا کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس ڈرامہ کا ہر کردار مہمل اور ہر منظر بے معنی ہے۔ فلسفہ اور تمام اصناف ادب کی طرح آج کا تھیٹر بھی اسی بے معنویت کے شعور سے جنم لیتا ہے۔ آئی نسکو، سیموئیل، بیکٹ ادا موف اور ژینے کے ڈرامے اسی شعور کی پیداوار ہیں۔ کائنات اور انسان

میں کوئی رشتہ نہیں۔ انسان ایک اجنبی اور بے معنی صورتحال سے دوچار ہے۔ یہ صورتحال اس کی زندگی اور ان قدروں کو بے معنی کر دیتی ہے جن سے انسان پیار کرتا رہا ہے۔ لایعنی تھیٹر اس بے معنی صورتحال کا ایک شاعرانہ امیج پیش کرتا ہے۔ لایعنی ڈرامہ روایتی ابتدا سے انتہا کی طرف نہیں بڑھتا بلکہ وہ شاعرانہ امیج سے جنم لیتا ہے اور اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب وہ امیج مکمل ہو جاتا ہے۔ یہ شاعرانہ امیج کسی ایک کیفیت کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ ڈرامہ دیکھنے والوں کو مختلف سمتوں میں لے جاتا ہے۔

لایعنی ڈرامہ منطقی طور پر آگے نہیں بڑھتا بلکہ اس کا سفر خواب کی طرح تلازمہ در تلازمہ ہوتا ہے۔ خواب کی دنیا امیجز کی غیر منطقی دنیا ہے۔ لایعنی ڈرامہ خواب کے اس عمل کو آرٹ میں دہراتا ہے۔ ہر ڈرامہ میں ایک امیج ہوتا ہے جو پورے ڈرامے پر محیط ہوتا ہے۔ یہ امیج کسی کیفیت یا صورتحال کا بیان نہیں بلکہ یہ کیفیت یا صورتحال کو قدر اظہار دیتا ہے۔ اسکیمو جس طرح برف سے بچنے کے لیے برف کا مکان تیار کرتا ہے اسی طرح لایعنی ڈرامہ بے معنی صورتحال سے شاعرانہ امیج تخلیق کرتا ہے۔ انسان اور کائنات کا بے معنی رشتہ ایک بے شکل صورتحال ہے۔ اسی صورتحال کو شکل اور ہیئت دینے کا نام لایعنی شاعرانہ امیج ہے۔ سیموئیل بیکٹ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے خیالات کی شکل میں دلچسپی ہے خواہ میں ان خیالات کو مانتا بھی نہ ہوں .... یہ شکل ہے۔ جو اہم ہے آئینسکو کے نزدیک ادب اور آرٹ کی تاریخ دراصل اظہار کی شکلوں کی تاریخ ہے۔ ژاں ژینے کے لفظوں میں اس کا تھیٹر اسٹیج پر کرداروں کو ان چیزوں کے استعارے بنانا ہے جن کی وہ نمائندگی کرتے ہیں۔ لایعنی تھیٹر کا شاعرانہ امیج کائنات انسان اور زبان کے باہمی رشتوں کی پیچیدگی کا آئینہ دار ہے۔ اس رشتے کی نوعیت جاننا ضروری ہے۔ یہ جاننے کے لیے ہمیں لایعنی تھیٹر کی نظریاتی بنیادوں اور کچھ نمائندہ ڈراموں کا جائزہ لینا ہوگا۔

آئی نسکو نے لایعنی تھیٹر کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے: ''لایعنی (Absurd) وہ ہے جو مقصد سے محروم ہے جو اپنی مابعدالطبیعاتی اور ماورائی جڑوں سے کٹا ہوا ہے۔ انسان گم ہو چکا ہے۔ اس کے سارے اعمال بے معنی مہمل اور لاحاصل ہو جاتے ہیں۔''

مابعدالطبیعاتی اور ماورائی جڑوں سے کیا مراد ہے؟ آئی نسکو کا تیسرا ڈرامہ ''کرسیاں'' اسی مہمل صورتحال کے گرد گھومتا ہے۔ دو بوڑھے میاں بیوی جو ۹۵ اور ۹۴ سال کے لگ بھگ ہیں، یہ دونوں ایک گول مینار میں رہتے ہیں جو ایک جزیرہ میں واقع ہے۔ اس تنہا جزیرے میں بوڑھا دربان کا کام کرتا ہے یہ بوڑھا جوڑا ان ممتاز لوگوں کا منتظر ہے جنھیں جزیرے میں مدعو کیا گیا ہے۔ بوڑھا اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی زندگی کے حاصل کے بارے میں انھیں کچھ بتلانا چاہتا ہے۔ بوڑھا چونکہ خود تقریر کے فن سے ناواقف ہے اس لیے وہ ایک پیشہ ور مقرر کے ذریعہ اپنا پیغام آئندہ نسلوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ مہمانوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے لیکن اسٹیج کی تنہائی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا لوگ نہ تو نظر آتے ہیں اور نہ ہی ان کے آنے کی کوئی آواز سنائی دیتی ہے لیکن یہ بوڑھا جوڑا کرسیوں کی تعداد میں اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ وہ اپنے مہمانوں سے بے حد خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی خوش آمدید کے مکالمے ضرور سنتے جاتے ہیں لیکن مہمان نظر نہیں آتے۔ لوگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس بوڑھے جوڑے کو چلنے پھرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد بادشاہ آتا ہے۔ آخر میں مقرر نمودار ہوتا ہے جو واقعی حقیقی کردار ہے۔ یہ بوڑھا جوڑا مقرر کے آنے کے بعد مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب ان کا پیغام دوسروں تک پہنچ جائے گا۔ اس اطمینان کے بعد یہ جوڑا موت سے ہمکنار ہونے کے لیے سمندر میں چھلانگ لگا دیتا ہے۔ اب صرف مقرر اور خالی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے غیر مرئی لوگ باقی رہ جاتے ہیں۔ مقرر ان مہمانوں سے مخاطب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ گونگا اور بہرہ ہے اس لیے اس کی گونگی

غرغراہٹ کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ وہ ایک سیاہ تختے پر کچھ لکھتا ہے لیکن جو کچھ وہ لکھتا ہے وہ بے ترتیب حرفوں کے ایک بے معنی مجموعے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اس ڈرامے میں ایک شاعرانہ امیج نہیں ہے بلکہ کئی امیجز ہیں جن کے ذریعہ انسانی زندگی کی بے معنویت کا اظہار کیا گیا ہے۔ آئی نسکو اپنے اس ڈرامے کے موضوع کے بارے میں خود لکھتا ہے: ''ڈرامے کا موضوع کوئی پیغام نہیں اور نہ ہی زندگی کی ناکامیاں یا دو بوڑھے انسانوں کی اخلاقی تباہی ہے بلکہ موضوع بذات خود کرسیاں ہیں یعنی لوگوں کی غیر موجودگی، بادشاہ کی غیر موجودگی، مادے کی غیر موجودگی، دنیا کا التباس، مابعدالطبیعاتی خلاء............ ڈرامے کا موضوع عدم ہے...... غیر مرئی عناصر کو زیادہ زیادہ واضح طور پر موجود ہونا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ حقیقی ہونا چاہیے یہاں تک کہ وہ نقطہ آجاتا ہے جب وہ عقلی ذہن کے لیے ناقابل قبول اور ناقابل تسلیم بن جاتے ہیں۔ جب غیر حقیقی عناصر بولتے اور حرکت کرنے لگتے ہیں............ اور عدم کی آواز سنی جاسکتی ہے اور وہ محسوس پیکر اختیار کر لیتا ہے۔''

آئی نسکو نے جب اپنے ڈرامے کا موضوع خود ہی متعین کر دیا ہے تو اب مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔ آئی نسکو کے نزدیک یہاں کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ کافکا نے کہا تھا کہ دنیا کا نظام ایک جھوٹ پر قائم ہے لیکن آئی نسکو ہر طرف عدم کی آواز سنتا ہے۔ موت کی موجودگی انسان کو مابعدالطبیعاتی اور ماورائی جڑوں سے کاٹ دیتی ہے۔ اگر موت کے ساتھ انسان ہمیشہ کے لیے سو جاتا ہے تو ہمارے فکر و عمل کے لیے کوئی معنی باقی نہیں رہتے کسی چیز کو کسی اور چیز پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ ساری کائنات اور سارے تجربات ایک صفر میں سمٹ آتے ہیں۔ یہ صفر موت کی منفی قوت ہے، جو انسانی وجود کا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ انسانی آزادی کا کوئی مصرف باقی نہیں رہتا۔ اسکیمو جب برف کے مکان سے برف

کے قبرستان کی طرف بڑھتا ہے تو اس کی ساری تگ و دو تمام تجربات اور زندہ رہنے کی تمام کوششیں ایک بے معنی اور بے مصرف لاش میں تبدیل ہو جاتی ہیں، ہر انسان اپنے تجربات کی لاش اٹھائے ہوئے اپنی بے معنی تقدیر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کسی تجربے کو کسی اور تجربے پر فوقیت نہیں دی جا سکتی کیوں کہ موت کی موجودگی میں کسی چیز کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا اور ہر چیز جائز بھی ہو جاتی ہے۔ انسان ہر سمت میں قدم اٹھا سکتا ہے کیوں کہ تمام سمتیں اور سارے راستے ایک بے معنی منزل پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے تجربات کا حاصل خود ایک بے حاصلی ہے جس کا کوئی مصرف اور کوئی معنی نہیں۔ بے حاصلی کی اس کہر آلود فضا میں زبان کا خون منجمد ہو گیا ہے، اس کے اظہار کا آئینہ کثیف ہو چکا ہے اور آئینہ کی عکاس فطرت دھندلا گئی ہے۔ اس صورتحال میں فنکار، ادیب یا ڈرامہ نگار کچھ کہنا بھی چاہے تو زبان کی مہملیت اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے، بقول آئی نسکو ہر لفظ ہر شخص کے لیے ایک مختلف تلازمہ رکھتا ہے۔ تلازمات کے اس جنگل میں فنکار اگر کچھ کہنا بھی چاہے تو کس طرح کہے کیوں کہ اظہار و ابلاغ کے سارے راستوں پر شخصی تلازمات کی دیواریں کھڑی ہوئی ہیں۔ آئی نسکو کے ڈرامے ''کرسیاں'' میں بھی ابلاغ کی دشواریوں کا شعور کارفرما نظر آتا ہے۔ اس ڈرامے میں جزیرہ زندگی کی نمائندگی کر رہا ہے۔ زندگی کے اس تنہا جزیرے میں انسان رہتا ہے۔ انسانی زندگی یعنی اس بوڑھے جوڑے کے تجربات ایک گول مینار کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا دربان وہ خود بوڑھا ہے۔ اس مینار کی انتہائی بلندی پر پہنچ کر موت کے سمندر کا نظارہ کہیں زیادہ واضح اور اس کی وسعتیں زیادہ ہولناک ہو جاتی ہیں۔ بوڑھا دربان اپنی زندگی کے تجربات کا حاصل اور نچوڑ آنے والے زمانے تک پہنچانا چاہتا ہے۔ جزیرے کی تنہائی انسان کی مابعد الطبیعاتی تنہائی ہے۔ نظر نہ آنے والے مہمان انسانی زندگی کا وہ مستقل دھارا ہے جس میں کروڑوں اور اربوں انسان حاکم و محکوم اس تیزی سے بہہ

رہے ہیں کہ غیر مرئی بن گئے ہیں۔ خالی کرسیاں مختلف تہذیبی وحدتیں یا عہد کے مختلف تاریخی خانے ہیں۔ یہ تہذیبی وحدتیں یا تاریخی خانے تو مرئی ہیں لیکن ان میں بسنے والے کروڑوں انسان اور ان کے حاکم غیر مرئی ہیں۔ یہ کرسیاں انسان کی خواہشوں کی علامت بھی ہیں اس کے وجود کی گہرائیوں میں سو رہی ہیں۔ یہ ایک انتظار کی کیفیت کا شاعرانہ امیج ہے۔ مقرر وہ فنکار ہے جو انسانی زندگی کے تجربات کا حاصل بیان کرنا چاہتا ہے لیکن یہ مقرر یعنی فنکار گونگا اور بہرا ہے۔ وہ بہرا اس لیے ہے کہ عدم کے علاوہ کوئی آواز نہیں سن سکتا اور گونگا اس لیے ہے کہ زبان اور سارے وسیلہ ہائے اظہار اسکے خیالات کا ساتھ نہیں دیتے۔ سارا آرٹ زبان و ادب کے سارے اسالیب اظہار کی حیثیت گونگے اور بہرے کے اشاروں سے زیادہ نہیں۔ سارے شاعر، فنکار، ادیب، ڈرامہ نگار اور فلسفی، صداقت کے اظہار سے معذور ہیں۔ بوڑھے جوڑے کا سمندر میں چھلانگ لگا دینا زندگی کی بے معنویت کا طاقتور استعارہ ہے، سیاہ تختہ ادب اور آرٹ کی تاریخ ہے اور اس پر لکھے ہوئے بے ترتیب اور بے معنی حروف زبان کے عجز اور اس کے وجود کی بے معنویت کا ایک المناک امیج ہے لیکن تجربات اور وقت کا مینار کس کے لیے ہے۔ ادب اور آرٹ کی تاریخ کا سیاہ تختہ کن لوگوں کے لیے رکھا گیا ہے اور اس پر لکھے ہوئے حروف کیا معنی رکھتے ہیں نہ انھیں کوئی پڑھنے والا ہے اور نہ کوئی سمجھنے والا ہے۔ ایک عدمِ محض سے فنکار مخاطب ہے۔

آئی نسکو نے اپنے اس طاقتور اثر انگیز ڈرامے میں انسانی زندگی کی بنیادی بے معنویت کو شاعرانہ امیجز کے ذریعہ بیان کرنے کی کوشش کی ہے انسانی زندگی کے تجربات کا نچوڑ دوسروں تک پہنچایا نہیں جا سکتا۔ اس زندگی کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ منزل۔ آئی نسکو ڈرامے کے مکالمات کو جس قدر اہمیت دیتا ہے اسی قدر وہ منظر کی سیٹنگ کو اہم قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک منظر کی سیٹنگ اور زبان کے ذریعہ تھیٹر میں ایک ایسی حقیقت کا اظہار و

ابلاغ ممکن ہے جو انسان کی قوت اظہار سے باہر ہے۔ اس کے خیال میں زبان کی پرانی صورتیں مرتی رہتی ہیں اور ان کی جگہ نئے اسالیب اور نئی صورتیں لے لیتی ہیں۔ آئی نسکو کا دعویٰ ہے کہ اس نے زبان کی نئی صورتوں اور نئے اسالیب کے ذریعہ زبان کو زندہ اور اس کے دائرہ اظہار کو پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

آئی نسکو کے نزدیک انسان اور کائنات کے رشتے کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ زبان اس کے اظہار سے معذور ہے۔ انسان جس بے معنی صورتحال سے دوچار ہے اس کا اظہار صرف لفظوں کی مدد سے نہیں کیا جاسکتا۔ اس صورتحال کا صرف ایک شاعرانہ امیج پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ شاعرانہ امیج ناقابل ابلاغ صورتحال کے ابلاغ کی ایک کوشش ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لایعنی تھیٹر کے ڈرامہ نگاروں نے بالعموم اور آئی نسکو نے خصوصی طور پر اظہار و ابلاغ کے جن مسائل کو اٹھایا ہے وہ انسانی صورتحال کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ ایک صورتحال سے پیدا ہوتے ہیں جو مہمل ہے، بے معنی اور بے ہنگم ہے۔ مارٹن ایسلن کے نزدیک یہ صورتحال اور اظہار و ابلاغ کے یہ مسائل بالکل نئے نہیں ہیں ان کی ایک پوری تاریخ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان مسائل کو لایعنی تھیٹر کے ڈرامہ نگاروں نے نئی بنیادوں پر تعمیر کیا ہے۔ اس صورتحال کی دریافت بلاشبہ انسانی فکر کی ایک عظیم جست ہے جسے کیئر کے گارڈ سے لے کر نیٹشے، ہیڈیگر، سارتر اور کامیو جیسے مفکرین نے فلسفیانہ سطح دی، لیکن لایعنی تھیٹر کے ڈرامہ نگاروں نے اس صورتحال کی مابعد الطبیعاتی حیثیت قبول کرنے کے بعد اسے شاعرانہ امیج کے ذریعہ ایک محسوس پیکر عطا کیا جس طرح اسکیمو برف سے مکان تیار کرتا ہے اسی طرح لایعنی تھیٹر کے ڈرامہ نگار بے معنویت کی برف کو شاعرانہ امیج میں تبدیل کر دیتے ہیں جس کی جمالیاتی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن انسانی زندگی کے المیہ کو لایعنی ڈرامہ نگاروں نے ایک محدود نقطۂ نظر سے دیکھنے

کی کوشش کی ہے۔ جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہاں انسان غیر انسانی قوتوں کا شکار ہے۔ بچے فاقوں سے مر جاتے ہیں۔ جنگوں کی تباہ کاریاں انسان کو نگل رہی ہیں، سیلاب اور زلزلوں کا عفریت انسانی زندگی کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسپتالوں میں لاوارث لاشوں کے ہجوم بڑھ رہے ہیں۔ انسانی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ غیر انسانی سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ ہر طرح کے تعصّبات میں انسانی روح مر رہی ہے۔ اس صورتحال میں ادیب اور فنکار غیر انسانی قوتوں سے لڑنے کی کوشش نہیں کرتے تو ہمیں اس نیرو کی ضرورت نہیں جو روم کے جلنے پر بانسری بجائے۔ اگر ادیب غیر انسانی قوتوں سے جنگ نہیں کرتا تو وہ ان قوتوں کا ایک حصہ ہے۔ ایک لایعنی ڈرامہ نگار نے اپنا ذہنی رشتہ گوتم سے جوڑنے کی کوشش کی، وہ اس طرح کہ گوتم سے کسی نے پوچھا کہ صداقت کیا ہے، گوتم نے جواب دیا کہ بتانا تو مشکل ہے صداقت کیا ہے، ہاں یہ بتلایا جاسکتا ہے کہ صداقت کیا نہیں ہے۔ یعنی مہمل کیا ہے لایعنی ڈرامہ نویس نے صرف جزوی گوتم کو سامنے رکھا اور اس گوتم کو بھول گیا جس نے غیر انسانی قوتوں سے جنگ کی اور انسان کو دکھ سے نجات دلانے کی تاریخی طور پر اہم کوشش کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات اور انسان میں کوئی رشتہ نہیں۔ مابعد الطبیعاتی معنی غائب ہو چکے ہیں لیکن انسانی رشتے کے معنی باقی ہیں۔ سارتر، بریخت اور ادا موف اسی معنی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آئی نسکو کی خالی کرسیاں انسانی وجود کی تنہائی کا ایک المناک امیج پیش کرتی ہیں۔ یہ امیج تخلیقی فن کی لازوال صداقت ہے۔ لیکن انسانی رشتے کی صداقت کہتی ہے کہ ان خالی کرسیوں کو گوتم وسقراط کی ضرورت ہے۔ ایک مثبت نقطۂ نظر کی ضرورت ہے۔

مارٹن ایسلن کی کتاب ''مہمل تھیٹر'' [Theatre of Absurd] تقریباً سارے پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ لیکن لایعنی تھیٹر کی بندگلی میں قارئین کو تنہا و پریشان چھوڑ

دیتی ہے اور لایعنی تھیٹر کی متبادل صورتوں سے آشنا نہیں کرتی۔ بریخت نے صرف ایک امکان کی نشاندہی کی ہے۔دوسرے امکانات کو بروئے کار لانے کی شدید ضرورت ہے۔

(جدیدیت اور مابعد جدیدیت (ایک ادبی وفلسفیانہ مخاطبہ)، اختر مطبوعات، کراچی، ۱۹۹۹ء)